مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا



طارق محی الدین شرمیلاؔ

مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا

مصنّف

طارق محی الدین شرمیلاؔ

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی

MUJHE SAB HAI YAD ZARA ZARA

by: Tarique Mohiuddin Sharmila
Year of Edition 2022
ISBN: 978-93-94616-45-5
₹ 300/-

کتاب : مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا
مصنف : طارق محی الدین شرمیلاؔ
تعداد : ۱۰۰
سنِ اشاعت : ۲۰۲۲ء
قیمت : ۳۰۰
پروف ریڈنگ : نورالحسن ہاشمی
کورڈیزائننگ : سید بابرامام
رابطہ : 7761816723
ملنے کا پتہ : بزمِ اتحاد نالندہ بہار شریف
بک امپوریم، سبزی باغ، پٹنہ۔۴
اقبال ہاؤس سیکٹر A، نیو عظیم آباد کالونی، پٹنہ۔

Published by

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE

H.O. D1/16, Ansari Road, Darya Ganj, New Delhi-110002 (INDIA)
B.O. 3191,Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6 (INDIA)
Ph: 45678286, 23216162, 45678203, 41418204
E-mail: info@ephbooks.com,ephindia@gmail.com
website: www.ephbooks.com

دیا لے کر وہاں ہم جا رہے ہیں
جہاں سورج کبھی ڈھلتا نہیں ہے

(شہریار)

انتساب

محترم

داداجان

سید شاہ طٰہٰ اشرفؒ امتُھوی

کے نام

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہوں جسے

میں جناب فائق صبیح اورنورالحسن ہاشمی ان دونوں صاحبان کا بہت
ممنون ہوں۔ان کی مخلصانہ نصیحت ومشفقانہ گزارشات نے مجھے
ایک بار پھرادب میں فعال کردارادا کرنے کے لئے مجبور کیا۔

بزمِ اتحاد نالندہ کے عہدیداران

صدر	:	حافظ محمد یعقوب اطہر ہلسوی
نائب صدر	:	آفتاب حسن شمس، بے نام گیلانی
جنرل سکریٹری	:	غفران الحق نظر
سکریٹری	:	تنویر ساکت
جوائنٹ سکریٹری	:	تنگ ایوبی
سکریٹری نشر و اشاعت	:	وسیم الحق اصغر نالندوی

بزمِ اتحاد

خدمتِ اردو پہ ہے مامور بزمِ اتحاد
بھر رہی ہے سب کے دل میں نور بزمِ اتحاد
درس دیتی ہے یہ گوہرؔ ارتباط و امن کا
اس لئے ہے ملک میں مشہور بزمِ اتحاد

(گوہر شیخپوروی)

فہرست

بزمِ اتحاد نالندہ کے چند شعراء

شمع فروزاں 〈کلام〉

یاد رفتگاں

مہمان شعراء 〈کلام〉

☆☆☆

سرسری دل کی واردات نہیں

(تنویر ساکت)

اُردو زبان وادب کی تاریخ میں ادبی تنظیموں کے ذریعہ اپنی کارکردگی اور کارنامے کوسوونیر کی شکل میں پیش کرنے کی روایت کوئی نئی نہیں ہے۔ یہ طریقہ کار بہت پرانا ہے۔ یہ سوونیر جہاں حلقہ ادب میں اس تنظیم کی تاریخی حیثیت کو متعین کرتے ہیں وہیں دوسری طرف عوام الناس میں ادب سے دلچسپی، اپنی تہذیب وثقافت کے تحفظ کا احساس اور اس احساس بیداری کے لئے ایک لائحہ عمل بھی پیش کرتے ہیں۔ بزمِ اتحاد سے متعلق موصوف نے جب کچھ اس طرح کا ارادہ مجھ پر ظاہر کیا تو بغیر کسی اگر مگر کے، میں نے اس نیک عمل پر صد آفرین کہا لیکن مجھے اس بات کی قطعی امید نہیں تھی کہ یہ مجلّہ روایتی انداز سے ہٹ کر ایک نئے اندازِ فکر کا ترجمان ہوگا۔ مجھے مختلف تنظیموں کے کئی سوونیر، مجلّے اور جریدے کے مطالعے کا اتفاق رہا ہے۔ میری نظر میں وہ جریدے صرف جاذبِ نگاہ نہیں تھے بلکہ ادب سے متعلق آفاقی پیغام بھی پیش کرنے میں کامیاب تھے لیکن پیشِ نظر جریدہ دیگر سوونیر کے مقابلے انفرادی شان کا حامل نظر آتا ہے۔ یقیناً صرف اس کی وجہ اسلوبِ بیان، اور منظر کشی نہیں ہے بلکہ بزم سے موصوف کی ذاتی وابستگی اور شمولیت نے اس کو ممتاز کر دیا ہے۔ آپ خود اس تاریخی پسِ منظر کا ایک کردار ہیں آپ نے بزم کے قیام سے لے کر اس کے مختلف ادوار کو دیکھا ہے اس کو محسوس کیا ہے۔ اس کردار میں خود کو زندہ رکھا ہے۔ یہ کیفیت جب جذبۂ محبت سے نکل کر عقیدت کے درجے میں داخل ہوگی تو یقیناً منفرد و ممتاز تصنیف کا وجود میں آنا لازمی ہے۔ عام طور پر لوگ اس طرح کی کتابوں کو سرسری طور پر پڑھ کر گزر جانا

چاہتے ہیں لیکن یہاں اس غلطی کے ارتکاب کی گنجائش کم نظر آتی ہے۔

موصوف نے بزمِ اتحاد نالندہ کی تاریخ، ادبی سرگرمی اور اس سے وابستہ شعراء کا تذکرہ جس منفرد انداز میں پیش کیا ہے یہ قاری کو طلسماتی دنیا سے علیحدہ ہونے ہی نہیں دیتا ہے۔ یہ کتاب بزم اتحاد کے قیام سے لے کر حال تک کے سفر کی ایک خوبصورت تاریخی روداد ہے۔ یہاں مختلف شعراء کا نہ صرف تعارفی خاکہ پیش کیا گیا ہے بلکہ ان کے ذاتی اوصاف اور کلام کے ادبی محاسن پر اپنے خیالات و تاثرات کو نہایت انکساری اور ایمانداری کے ساتھ پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ اس طرح کا اسلوب اور اندازِ بیان عام طور پر مجھے کسی ادبی تنظیم کی روداد، رپورٹنگ مجلّے میں نظر نہیں آیا۔ بلاشبہ اس کارنامے کو ہم ادب میں ایک قابل قدر اضافہ کہہ سکتے ہیں۔ ہاں ایک کمی یہاں ضرور نظر آتی ہے اور یہ شاید ناقد کی نگاہ میں اس کتاب کی افادیت و اہمیت کو کم کرسکتی ہے وہ یہ کہ موصوف نے شعراء کے کلام پر تنقیدی گفتگو سے گریز کیا ہے۔ یہ آپ کی کتاب کی ضخامت کا مسئلہ ہے یا فن کار کی دلآزاری کا خوف، کچھ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا۔

اک مسافر مدتوں سے دشت میں پھرتا رہا
آخرش آ ہی گیا اک روز منزل کے قریب

سکریٹری
بزمِ اتحاد نالندہ، بہار شریف

☆☆☆

کچھ مجھے بھی خراب ہونا تھا

(سید بابر امام)

آج کل کسی کتاب پر تجارتی نقطۂ نظر سے تبصرہ لکھنا ایک عمومی فیشن بن گیا ہے۔ بعض اوقات تو اہلِ قلم حضرات کتاب کے مطالعے کی زحمت بھی گوارہ نہیں کرتے اور یہی کیفیت قارئین کی بھی ہے یہ اکثر کتاب کو پڑھے بغیر مبصر کی آرا سے متفق ہو جاتے ہیں۔ میں ہمیشہ کتاب پر تحریری تبصرہ دینے سے گریز کرتا ہوں۔ میں نے جس قدر بار بار اس مجبوری کا حوالہ دیا یہاں اصرار، تقاضا، مطالبہ بڑھتا ہی رہا۔ اس وقت میں مختلف صورتحال سے دو چار ہوں۔ ہمارے سامنے ایک غیر مطبوعہ کتاب کی نقل رکھی ہوئی ہے اور یہ محبت و اصرار کے ساتھ صرف اس غرض سے دی گئی ہے کہ میں اس پر کچھ تبصرہ کروں۔ مجھے یہ معلوم تو نہیں یہ میرا امتحان ہے یا موصوف کی محبت، لیکن میرے خیال میں اس کام کے لئے میرا انتخاب ہی غلط ہے۔ بہرحال محبت کا سودا کتنا بھی گراں ہو قیمت کی ادائیگی کے بعد یہ سودا ہمیشہ نفع بخش ہی ثابت ہوتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کا حق کسی قدر ادا ہو جائے۔

اردو اخبارات کا مطالعہ میری کمزوری ہے۔شاید اس وجہ سے بزم اتحاد سے میری واقفیت کچھ حد تک تھی۔اخبارات میں بزم کی ادبی سرگرمی وشعری نشست کی روداد پڑھنے کو مل جایا کرتی ہے مزید تفصیلات کے لئے محترم کی یہ کتاب کافی ہے۔ بلاشبہ اس دور میں ادب کی خدمت قابلِ رشک ہے۔زیادہ تر لوگ اس کام کو وقت کی بربادی سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتے۔جس طرح اردو کی دشمنی میں اس زبان کی بیخ کنی کی جارہی ہے شاید وہ وقت دور نہیں جب آئندہ آنے والی نسل اپنی مادری زبان سے اس قدر نابلد ہو کہ مادری زبان کے خانے میں اردو زبان کا اندراج مادری زبان کی حیثیت سے بھی نہ کرا سکے۔ایسے وقت میں بزم اتحاد جس سرگرمی کے ساتھ اردو کی بقاء کے لئے میدانِ عمل میں کاربند ہے اس کوشش کو ہم قابلِ تعریف کہہ سکتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ بزم کا دائرہ بہار شریف کے حدود تک محدود ہے۔اس تیس سال کے عرصے میں اس دائرۂ عمل کو مقامی حد سے نکال کر اور وسیع کیا جاسکتا تو یہ ایک بہت بڑا کام ہوتا۔شاید اس راہ میں کچھ روکاوٹیں مانع ہوگیں لیکن اس کے باوجود ہر لحاظ سے ادب میں اس کی خدمت کا اعتراف کرنا واجب ہے۔

میں ادب کی خدمت میں سود وزیاں کا قائل نہیں ہوں خاص طور سے اردو ادب کا اگر معاملہ ہو تو میں اس کام کو ملی فریضہ کے طور پر لیتا ہوں اور کم وبیش یہی کیفیت محترم کی بھی ہے اس لئے میں اس خصوصیت کی وجہ سے ہمیشہ آپ کا قدردان رہا اور آپ کی یہ خوبی اس کتاب کی اشاعت کی موجب بھی ہوئی ورنہ اب وہ شوق کہاں جو ادب کے نام پر اس بار گراں کا خرچ اپنی جیب سے ادا کیا جائے۔

بزمِ اتحاد نالندہ بہار شریف میں سیاسی وسماجی دونوں اعتبار سے اردو داں طبقے کی نمائندگی کررہی ہے۔ یہ صرف ایک بزم نہیں ایک تحریک ہے اور تحریک کو زندہ رکھنے والے افراد قابلِ قدر ہوتے ہیں۔ان کے حالاتِ زندگی، کارنامے، مشاغل کو احتیاط کے ساتھ محفوظ رکھنے کی سخت ضرورت ہے۔اس کام سے غفلت برتنا قوم کو نا قابلِ تلافی نقصان سے دوچار کرنا ہے۔میری معلومات کے مطابق اس سے قبل ماضی میں بزم کے اراکین اس کام

کو کافی حد تک کر چکے ہیں۔ ہم اس کتاب کو مزید اس سلسلے کی کڑی میں ایک اضافہ کے طور پر لے سکتے ہیں۔ انشاء اللہ مستقبل میں بزم کی طرف سے ایسے ہی اضافے کی امید کرتا ہوں۔ بزمِ اتحاد کے اس پس منظر کو ہم کافی دلچسپ، انوکھا اور معلوماتی کہہ سکتے ہیں۔ اس کا اسلوب اور اندازِ بیان دونوں قاری کو متاثر کرنے والا ہے۔ کسی انجمن یا بزم کی رو سے میری نظر میں ایسی کتاب شاذ و نادر گذری ہے۔ موصوف نے کافی محنت اور لگن کے ساتھ تمام واقعات و کردار کو دلچسپ انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ بزم اتحاد کی تاریخ میں ایک کردار کے طور پر خود موصوف کی شخصیت بھی نظر آتی ہے۔ موصوف جہاں تمام واقعات کے راوی ہیں وہاں ایک کردار بھی ہیں لیکن آپ نے بیجا انکساری میں اپنی شخصیت کو ہر طرح سے مجروح کر ڈالا ہے۔ آپ جب اس کتاب میں ان کی شخصیت کا مطالعہ کریں گے تو ایسا لگے گا کہ یہ کردار کسی کرشمہ سازی کی وجہ کر وجود میں آیا ہے یا پھر یہ افسانوی کردار ہے اور اس کردار کو کہانی کے ساتھ دفن ہو جانا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کی گنجائش ادب میں بالکل نہیں ہونی چاہیئے۔ اس اندازِ بیان سے انسان کی عالمانہ لیاقت مسخ ہو کر رہ جاتی ہے پھر قارئین الگ ذہنی اذیت میں مبتلا رہتے ہیں۔ تاریخی واقعات لکھنے کا طریقہ کچھ مختلف ہونا چاہیئے تھا۔ جب ہم کوئی تاریخی روداد لکھتے ہیں تو حوالا جات کے طور پر مقام، تاریخ اور سن کے اندراج کا خاص خیال رکھتے ہیں ورنہ ایک عام قاری کے لئے اس کی اہمیت افسانوی ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہ اس کتاب کی خاص کمی ہے۔ اسی طرح موصوف نے بزم کی پوری کارروائی اور مختلف شخصیات کا جائزہ لینے کے لئے جو اسلوب اختیار کیا ہے یہ بیشک ساحرانہ منظر پیش کرنے میں کامیاب تو ہے مگر یہاں بھی وہ کمی دہرائی گئی ہے۔ آپ بزم کی ایک شعری نشست کو مضمون کے کلائمکس کے طور پر استعمال کرتے ہیں لیکن یہاں کسی شاعر کا کوئی کلام یا شعر نظر نہیں آتا۔ بہرحال ان کمیوں کے باوجود اس کتاب میں مطالعے کے لئے بہت سارے مواد ہیں، عمدہ کلام کا انتخاب، شخصیت کی تجزیہ نگاری، صحت مند طنز و مزاح، بزم کا قیام اور مقصد، مشہور شخصیات اور غیر مسلم شعراء کا بزم سے والہانہ لگاؤ، بہار شریف

میں اُردو ادب کے لئے ساز گار ماحول وغیرہ یہ ایسے موضوعات ہیں جو ان خامیوں کو اُجاگر ہونے ہی نہیں دیتے۔ یہ ہمیں شروع سے آخر تک ایک مسحور کن کیفیت میں مبتلاء رکھتے ہیں۔ بیشک اس اندازِ تخاطب کے ساتھ موصوف اپنی بات رکھنے میں پوری طرح کامیاب ہیں اور اس تجربے کو مستقبل میں آزمایا جا سکتا ہے۔

ریسرچ اسکالر، ماہرِ غالبیات
کاشانہ کوٹھی، بھنور پوکھر پٹنہ ۴

☆☆☆

اپنی بات

کسی قوم کے عروج وزوال کا انحصار اس قوم کی زبان تہذیب وثقافت پر ہے لیکن جب قوم پر زوال نازل ہوتا ہے تو وہ اپنی تہذیب اپنی زبان کو رفتہ رفتہ فراموش کر نے لگتی ہے۔لیکن ایک حساس اور زندہ قوم،اپنے بنیادی امور کواس زوال پزیری سے حتمی طور پر دور رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔اٹھارویں صدی سے قبل تک حکومتی سطح پر تقریباً ہر ملک کی ایک قومی زبان ہوا کرتی تھی۔مگر جیسے ہی انگریز فاتح بن کرا بھرے اور جس جس ملک پر قابض ہوئے اس ملک کی تہذیب وتمدن کی بخیہ ادھیڑ ڈالی بہت ساری علاقائی زبانیں تو بے توجہی کے سبب خود اپنی موت آپ مر گئیں جبکہ کچھ زبان کی حیثیت ثانوی ہوگئی اور انگریزی زبان کا زور اور اثر غالب آنے لگا۔یہی وجہ ہے کہ اس زبان نے بین الاقوامی درجہ حاصل کرلیا اور آج انگریزی زبان پوری دنیا کیلئے اظہارِخیال کا واحد ذریعہ ہے۔انگریزوں کا بنیادی مقصد صرف اور صرف حکومت کرنا نہیں تھا۔برٹش حکومت ایک نئے معاشرے کی دلدادہ تھی۔ہماری تہذیب کواس نے دقیانوسی قرار دے کر رد کردیا پھر ایک ایسے معاشرے کی تعمیر وتشکیل کی جہاں وہ اپنے مذہب وثقافت کوفروغ دے سکے۔عیسائی مبلغین نے اس موقعے کو بخوبی کیش کیا اور ہم لاشعوری طور پر اس چال کا شکار ہو گئے۔آج بھی ہمارے درمیان مذہب و ثقافت کی سرد جنگ چھڑی ہوئی ہے۔زبان کا بگاڑ ایمان کا بھی بگاڑ ہے۔میں کسی زبان کا مخالف نہیں ہوں۔مذہب کی تبلیغ،تجارت اور ترقی

کی رو سے کوئی بھی زبان سیکھی جاسکتی ہے۔ میں ان حضرات کا مخالف ہوں جو دوسری قوم کی زبان تہذیب وتمدن کو اپنی زبان اور تہذیب پر فوقیت دیتے ہیں۔ زبان کا تحفظ اپنی تہذیب و مذہب کا تحفظ ہے۔قرآن کے نزول سے قبل جتنی آسمانی کتابیں آئیں وہ اس لئے بھی متروک قرار دیدی گئیں کہ وہ زبانیں ناپید ہوچکی تھیں۔عوام سے اس کا رابطہ منقطع ہوگیا تھا اور اس قوم کے علماء نے حق و باطل کو زبان کے فرق سے خلط ملط کردیا تھا۔ بیشک اردو دوسری زبانوں کے مقابل کمسن ہونے کے باوجود مذہب وادب دونوں لحاظ سے کافی زرخیز زبان ہے اگر آپ اپنے مذہب وثقافت کا تحفظ چاہتے ہیں تو اردو کو مرنے مت دیجئے۔ اپنے بچوں کو اردو ضرور پڑھایئے۔ اگر میں یہ کہوں کہ اردو زبان کا تحفظ، اس کی بقااور ترویج واشاعت آپ کی دینی وملی ذمہ داری ہے تو غلط نہ ہوگا۔ ملک کی آزادی سے لیکر موجودہ دور تک مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے ذریعے جس طرح اردو سے امتیازی سلوک روا رکھا جارہا ہے وہ ہر محبّ اردو محسوس کرسکتا ہے۔اس حالات میں اردو کو زندہ رکھنا ہمارے لئے ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔ یہ زبان خالص اس ملک کی زبان تھی یہ کسی مذہب کی جاگیر نہیں تھی لیکن تقسیم ہند کے بعد اس زبان کو ایک مخصوص مذہب کی جاگیر قرار دیدیا گیا۔ یہ ایک بہت بڑا المیہ تھا اور آج وہی المیہ زبان کو مذہب، ذات، نسل کی تفریق میں تقسیم کررہا ہے۔اخلاقی، لسانی خدمت عنقا ہوکر رہ گئی ہے۔آج اس دور پر فتن میں اشاعتِ خیر تعمیرِ اخلاق کے لئے اگر کوئی زبان سب سے زیادہ موزوں ہے تو وہ اُردو زبان ہے۔

بہار شریف میں بزمِ اتحاد کے قیام کا مقصد بلاتفریق مذہب وملت خالص ادبی نوعیت کی خدمت اور اتحاد وخیر کو مشتہر کرنا اور فروغ دینا تھا۔ بزم نے سب سے پہلے محبت و خیر سگالی کی فضاء کو ہموار کیا پھر شعر وسخن کی محفل نے عوام کو ایک نئے موڑ، نئے اسٹائل سے آشنا کیا۔ بہار شریف میں اس سے قبل بھی کئی تنظیم، انجمن، ادارے متحرک تھے۔ یقیناً وہ انجمن، ادارے ہمارے لئے مفید وکارگر ضرور تھے لیکن وہ حضرات جو شعر گوئی کی تمیز رکھتے

ہوئے الگ مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے کی وجہ سے خود کو اجنبی محسوس کیا کرتے تھے۔ وہاں ان کی اجنبیت کو دور کرنے کا کوئی سامان نہیں تھا۔ بزم نے اس کمی کو دور کر دیا اور من وتو کی تفریق کو ختم کر دیا تمام مکتبۂ فکر کے افراد کو اپنے ذوق کی آبیاری کے لئے شعر وسخن کی دعوت دی۔ سبھاش چندر پاسوان، مہندر کمار وکل، نونیت کرشن، ریتوراج، انجانی کمار سمن، ساگر آنند، کمار آرین وغیرہ یہ ایسے اہل قلم ہیں جن کے کلام ہندی، اردو دونوں زبانوں میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

بزمِ اتحاد نے شعر وسخن کی روایت کو صرف آگے نہیں بڑھایا بلکہ لگا تار طرحی نشست کا انعقاد بھی کیا۔ آج صوبہ بہار میں اردو کے نام پر سینکڑوں تنظیمیں فعال ہیں۔ ان میں چند تنظیمیں ایسی ہیں جہاں شعری نشستوں کا اہتمام ہوتا ہے۔ پھر ان میں خال خال ہی کچھ تنظیموں میں طرحی نشستیں ہوا کرتی ہیں۔ شاید اس وجہ سے آج تک لگا تار سب سے زیادہ طرحی نشست منعقد کرنے کا دعویٰ کوئی ایک انجمن اپنے نام کے ساتھ کبھی پیش نہ کر سکی۔ میرے خیال میں بزمِ اتحاد کے علاوہ کسی حد تک یہ ریکارڈ بزمِ ثاقب پٹنہ اور غالباً بزم راہی گیا کو حاصل ہے۔ اگر آپ میرے اس خیال کو میرا واہمہ ہی تصور کریں تو بھی طرحی نشست کے فوائد سے انکار نہیں کر سکتے۔ ایسی نشستیں جہاں مشاق شعراء کے فن کے معیار، اور شاعری کی بہت سی عناصرِ ترکیبی سے ہمیں واقف کراتی ہیں وہاں یہ نوآموز شعراء کے ذوق کی آبیاری کے ساتھ اصلاح سخن کا موقع بھی فراہم کرتی ہیں بزم نے دونوں صورت میں ایسے افراد کو ایک پلیٹ فارم مہیا کیا۔ آج بھی بزم اردو کی بقاء تشہیر واشاعت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی ہے۔ اردو کے تحفظ کے لئے عوامی سطح پر جتنی بھی تحریک چلائی گئی وہاں بزم اتحاد کے اراکین پیش پیش نظر آئے۔ اگر آپ بزم کی کاوشوں کا تفصیلی جائزہ لیں گے تو یہ بحث ایک الگ کتاب کی شکل اختیار کر جائے گی۔

زبان وادب کی خدمت بڑا جوکھم بھرا کام ہے۔ بیشتر شعراء ادباء کو تاحیات یہ شکایت رہی کہ وہ جس مقام کے متحمل تھے وہ مقام انہیں نہیں مل سکا۔ شاید یہ شکوہ درست بھی

ہو۔ فضل حق آزادؔ عظیم آبادی، عزیزؔ عظیم آبادی، سید شاہ طٰہٰ اشرفؔ امتھوی، گرد بہاری، احمقؔ گیاوی کا حال کچھ مختلف نہیں ان حضرات کے کارنامے زمانے کی سیاہ گرد میں دب کر رہ گئے ہیں۔ان دفینے کو منظر عام پر لانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ جب میں نے ادب میں قدم رکھا تو میری یہ کوشش رہی ہے کہ میں ان گوہر نایاب کو گم نہ ہوے دوں۔ مسلم ہندیؔ، آفتاب حسن شمسؔ، سید شاہ طٰہٰ اشرفؔ امتھوی وغیرہ جیسی شخصیات پر میں نے کئی مقالے لکھے خدا کے فضل سے یہ مقالے کسی مدیر کی ردی کی ٹوکری کا حصہ نہیں ہوئے یکے بعد دیگرے شائع ہوتے چلے گئے۔ بزمِ اتحاد سے میرا روحانی رشتہ ہے اور اسی روحانی رشتے کے سبب میری یہ ہمیشہ دلی خواہش رہی کہ بزم کی کاوش اور شعراء کے کارنامے کو محفوظ کر لیا جائے لیکن میں کامیاب نہ ہوسکا۔ایک عرصے کے بعد پتہ چلا یہ ذمہ داری جناب غفران الحق نظرؔ کے حصے میں آئی ہے اور الحمدللہ آپ اس ذمہ داری کا حق بحسن وخوبی ادا کر گئے بزم کی جانب سے دو سوونیر نکل چکے ہیں ہر سوونیر خوب سے خوب تر نظر آیا۔ بزم کی ایک شعری نشست میں غفران صاحب نے ایک سوونیر مجھے تحفتاً عنایت بھی کیا۔ میں آپ کا شکریہ جملے میں ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ حالیہ سوونیر نہایت خوبصورت اور جاذبِ نگاہ ہے۔ غفران صاحب نے کافی محنت اور حسن وخوبی کے ساتھ تمام شعراء کی ذاتی زندگی، مشاغل، کار نامے، کلام اور ہر وہ معلومات کو آئیندہ کے لئے محفوظ کر دیا ہے جو کبھی مستقبل میں ایک قاری ومحقق کی معلومات میں اضافے کا باعث ہوسکتے ہیں۔اس سوونیر کے بعد مزید کچھ لکھنے کی گنجائش باقی تو نہیں رہتی مگر میں اپنے دل کو کس طرح سمجھاؤں یہاں آج بھی یہ خواہش برقرار ہے کہ میں یہ کام اپنی حد سے پورا کروں۔ میں بلا مقابلہ بازی ہارنا پسند نہ کروں حالانکہ میری علمی وادبی دونوں صلاحیت بالکل اس لائق نہیں۔ میری حیثیت سورج کو چراغ دیکھانے کے مترادف ہے۔

میری یہ زیرِنظر کتاب مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا، حالیہ سوونیر کی کڑی میں ایک اضافی کڑی ہے۔ گزشتہ روایت کو برقرار رکھتے ہوئے یہاں کچھ تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ میں

نے شعراء کے تعارفی خاکے کو تاثراتی خاکے میں بدل دیا ہے اس تبدیلی سے تصویر زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔اردو ادب میں بزم کی تاریخی حیثیت کیا ہے اس زوایئے سے کچھ اچھوتے پہلو سامنے رکھے گئے ہیں جو بزم کی تاریخی حیثیت کو کسی قدر مستحکم بناتے ہیں۔ یقیناً یہ کتاب آپ کی سماعت کو ناگوار نہیں گزرے گی۔ ہاں اس کتاب میں ایک کمی تو ضرور رہ گئی۔۔۔۔۔وہ کمی خاص طور پر یہ ہے کہ یہاں میں تمام شاعر پر تاثراتی خاکہ پیش نہ کر سکا جس میں جناب حبیب دربھنگوی، اشفاق چکدینوی، آصف علی طالب، شمیم سکونتوی، رضی الدین رضی، عمر دراز عمر، وغیرہ صاحبان قابلِ ذکر ہیں۔جس کا مجھے بیحد افسوس بھی ہے۔اس کی دو وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ میرے ساتھ عدم فرصت کا مسئلہ ہمیشہ دامن گیر رہا ان حالات میں تمام شعراء کے معیار اور حسب مراتب کچھ لکھنا آسان کام نہیں دوسری وجہ میری جیب یعنی مالی دشواری جو کتاب کی ضخامت، پرنٹنگ کا مزید خرچ اٹھانے سے قاصر ہے۔انشاء اللہ اگر میری یہ کاوش اہلِ ذوق کو پسند آئی تو میں مستقبل قریب میں اس کام کو تحریک کی صورت میں ضرور آگے بڑھاؤں گا اور یہ شکایت کسی حد تک دور ہو جائے گی۔آخر میں، میں اپنے محسن نورالحسن ہاشمی اور تنویر ساکت صاحب کا بہت شکر گزار ہوں کہ ان دونوں حضرات کی قیمتی آراء نے میری کمیوں کی نشاندہی کی اور مجھے ہر قدم پر ایک نئے انداز سے سوچنے کے لئے مجبور کیا۔ کتاب کی پروف ریڈنگ بالکل اکتا دینے والا کام ہے۔ یہ ذمہ داری نورالحسن صاحب نے اپ نے ذمّے میں لے کر اس کام سے مجھے سبکدوش کر دیا میں اس کام کے لئے آپ کی جتنی تعریف کروں کم ہے۔اسی طرح جناب تنویر ساکتؔ صاحب نے میرے پست حوصلے کو کافی توانائی بخشی۔ ہر قدم یہ میرے ساتھ رہے میری ناقص سے ناقص تحریر کی بیجا تعریف کرتے ہوئے میرے حوصلے کو کم نہیں ہونے دیا۔ وہ شعراء جو گزشتہ سووینیر میں شامل نہیں تھے ان کا تعارفی خاکہ، کلام اور مزید معلومات مجھ تک پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔اگر یہ کتاب کسی حد تک اس مضمون کا حق ادا کرنے میں کامیاب ہے تو اس کی کامیابی کا سہرا ان دونوں حضرات کے سر بھی جاتا ہے اور اگر کوئی کمی ہے تو ان کمیوں کا

ذمہ دار میں ہوں بیشک مجھے اپنی کم علمی کا اعتراف ہے۔ بہرحال منفی اور مثبت دونوں صورت میں آپ مجھے اپنے مشورے سے ضرور نوازیں گے۔آخر میں، میں اپنی بات شاذ تمکنت کے اس شعر پر ختم کرتا ہوں۔

مانا کہ میرے ظرف سے بڑھ کر مجھے نہ دو
شبنم ہی مانگتا ہوں سمندر مجھے نہ دو

طارق محی الدین شرمیلاؔ
اقبال ہاؤس
سیکٹرA، نیو عظیم آباد کالونی
پٹنہ۔(بہار)

☆☆☆

بزمِ اتحاد

شعر و سخن کی شان ہے تو بزمِ اتحاد
تسکین قلب و جان ہے تو بزمِ اتحاد

ہندیؔ، کا تو وقار ہے اور شمسؔ کی ضیاء اخترؔ کو بھا گئی ہے تری شکل دلربا
علم وادب کا تو نے ہی سب کو سبق دیا دے کر ضیائے علم اندھیرا مٹا دیا

شعر و سخن کی شان ہے تو بزمِ اتحاد
تسکین قلب و جان ہے تو بزمِ اتحاد

علم و ادب کی تو نے سجائی ہے انجمن فکر و سخن کو تو نے دیا خاص بانکپن
اُردو زباں پہ کر دیا قربان جان وتن اُجڑی کیاریوں کو بنا ڈالا اک چمن

شعر و سخن کی شان ہے تو بزمِ اتحاد
تسکین قلب و جان ہے تو بزمِ اتحاد

دردائی جیسا بزم میں استاد فن بھی ہے ہر دل عزیز زینتِ بزمِ سخن بھی ہے
شیریں زبان اور وہ شیریں دہن بھی ہے اس کے پاس تازہ، شراب کہن بھی ہے

شعر و سخن کی شان ہے تو بزمِ اتحاد
تسکین قلب و جان ہے تو بزمِ اتحاد

اہلِ نظر کی روح ہے شاعر کی جان ہے اس گلشنِ ادب کی تو ہی باغبان ہے
دورِ خزاں ہے پھر بھی ترا دل جوان ہے اے بزمِ اتحاد تری خاص شان ہے

شعر و سخن کی شان ہے تو بزمِ اتحاد
تسکین قلب و جان ہے تو بزمِ اتحاد

دلہن کی طرح شمسؔ نے ہے تجھ کو سنوارا غفرانؔ نے اطہرؔ نے ترا رنگ نکھارا
گیلانیؔ و ماہرؔ نے دیا خوب سہارا چمکا دیا ساکتؔ نے مقدر کا ستارا

شعر و سخن کی شان ہے تو بزمِ اتحاد
تسکین قلب و جان ہے تو بزمِ اتحاد

شرمیلاؔ دے رہا ہے تجھ دل سے یہ دعا تیرا مقام اور بھی اونچا کرے خدا
میری نہیں سبھوں کی دعا ہے یہ برملا پھولا پھلا خدایا یہ گلشن رہے صدا

شعر و سخن کی شان ہے تو بزمِ اتحاد
تسکین قلب و جان ہے تو بزمِ اتحاد

☆☆☆

نذرانۂ عقیدت

بزم اتحاد کے شعراء کے نام

کاروانِ ادب — تو نے رکھی ہے لاج — میر ثانی ہے تو
پاسبانِ ادب — سر پہ اردو کے تاج — رود معنی ہے تو
داستانِ ادب — محترم ہے تو آج — جاودانی ہے تو
تو نشانِ ادب — پیش ہے یہ خراج — اک کہانی ہے تو

شاعرِ نیک نام — تیرا اونچا مقام — تو غزل کا امام
تجھ کو لاکھوں سلام — شاعرِ نیک نام — شاعرِ نیک نام

تیری تحریر کیا — شمع بجھتی رہی — با عقیدت جبیں
تیری تقریر کیا — اردو لٹتی رہی — یوں ہی جھکتی نہیں
تیری تفسیر کیا — جس نے آواز دی — ہے یہ دل کو یقیں
تیری تدبیر کیا — وہ تری ذات تھی — اے مرے ہم نشیں

ایک کوثر کا جام — تو مجاہد مدام — کچھ ہے راز دوام
شاعرِ نیک نام — شاعرِ نیک نام — شاعرِ نیک نام

میں نے ہندیؔ آج شمع بزم روشن کر دیا
دیکھنا ہے بیٹھ کر اب سوز پروانہ مجھے

(مسلم ہندیؔ)

مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا

میری مصروفیت تفریح وسیاحت کی اجازت ہی نہیں دیتی ہے۔کبھی کبھی زندگی کی یک رنگی سے طبیعت اُکتا جاتی ہے۔مغرب نے جوایک خوبصورت زندگی کا تصور دیا ہے۔ وہ خوبصورت زندگی دولت کی غلام ہے۔ زندگی کا معیار کیا ہے مقرر کرنا مشکل ہے۔ قناعت پسندی صبر وشکر اس زندگی میں ہے ہی نہیں۔ ہر انسان حال سے زیادہ بہتر مستقبل کا آرزومند ہے۔ پتا نہیں یہ دوڑ کس حد تک منزل مقصود تک لے جاتی ہے کہہ نہیں سکتا۔ میں اکتا سا گیا ہوں۔اس ریل پیل میں خوشی کا کوئی لمحہ میسر آتا ہے تو ایسا لگتا ہے زرد شیشے پہ کوئی پھول گرا ہو جیسے۔ میں ۲۲ سال سے مشین بن گیا ہوں۔ میں اس اسٹیج کا تنہا اداکار نہیں ہوں۔ایک پورا کارواں ہے جو لامتناہی منزل کی تلاش میں سرگرداں ہے۔شاید اس وجہ سے دنیا کی خوبصورتی اپنا کمال حسن کھوتی جارہی ہے۔اس مصروف زندگی سے اگر آپ نے کچھ حسین لمحات چرالئے تو وہ آپ کی حیات کے لئے اکسیر ثابت ہوتے ہیں۔ جب آپ اس تیز گام قافلے سے تھک کر الگ ہو جاتے ہیں تو یہی باقی ماندہ یادیں آپ کو تقویت بخشتی ہیں۔میری زندگی اس معاملے میں بالکل کوری نہیں ہے۔اگر میں یادوں کے دریچے سے کچھ قلمبند کرنا چاہوں تو بیشک کچھ خوبصورت پل میری زندگی کا بھی حصہ ہیں۔ادب سے میرا خاندانی اور جذباتی رشتہ رہا ہے۔گرچہ میری پرورش ادبی ماحول میں نہ ہوسکی میں اپنے بزرگوں سے استفادہ نہ کرسکا مگر سن شعور میں ایک ادبی ماحول سے اپنے قلب کی سیاہی کو کسی حد تک منور کرنے کی کوشش ضرور کی لیکن غم روزگار نے مجھے ذہنی اعتبار سے ضعیف قرار

دیدیا۔ مجھے بادل ناخواستہ اس ماحول سے فرار ہونا پڑا۔اس کے باوجود بھی آج جبریہ تعطل کی تاریکی میں کوئی روشنی کی شعاع نظر آجاتی ہے تو دل کا ہر کونہ منور ہو جاتا ہے۔تنویر ساکت صاحب کی 30 نومبر 2019 کی دعوت نے دل کے ساز کو پھر آواز دی۔ میں پھر اسی تاریخی ماحول کا حصہ بن گیا۔ بزم اتحاد نالندہ کا ادبی ماحول ہر وہ پل، جس کی خوشبو مشک عنبریں سے زیادہ عزیز تھی بہت یاد آئی۔ وہ سحر انگیز منظر شعری نشست ایک کے پہلو میں ایک معتبر شخصیات سید مظفر الدین دردائی، مسلم ہندی، انعام الحق اختر، یعقوب اطہر ہلسوی، حبیب دربھنگوی، مجید عامر، آفتاب حسن شمس، وغیرہ سرور و کیف کا چھلکتا ہوا جام، ایک ایسا آبشار جہاں کوئی تشنہ لب نہیں عارض وگل، غم ذات، غم کائنات ہر وہ مضمون جو کبھی مطالعہ کے محتاج تھے۔ سامعین کی دادِ تحسین کی شور میں نذر سماعت ہو رہے تھے۔ ایک ایسا پاکیزہ جذبہ جہاں ریاکاری شہرت پسندی کا شائبہ تک نہیں۔ جہاں عرفان وآگہی آفاقی ادراک و شعور کی داد ہر ذی شعور دیتا نظر آتا ہے۔اس خوبصورت محفل کا ایک ادنیٰ کردار کبھی میں بھی تھا۔ بزم اتحاد نالندہ کے ہر نشیب وفراز کو میں نے دیکھا ہے۔ آج بہار شریف میں بزم اتحاد اردو کی واحد نمائندہ ہے جو سیاسی اور ملی دونوں اعتبار سے ادب کی خدمت کی داد وصول کر رہی ہے۔ ہم جہاں اس دور انحطاط میں مذہبی تشخص، معاشرتی زبوں حالی کے ذہنی ہیجان میں مبتلا ہیں اپنا وجود خود پر گراں ہے۔ اردو نیم مردنی کی حالت میں اپنی آخری آرام گاہ کی طرف پیش قدمی کر رہی ہے۔ مفسدانہ روش نے اردو کی پرورش و پرداخت کے ہر دروازے مسدود کر دئے ہیں۔ وہاں سبھاش چندر پاسوان کمار کرشن، وغیرہ محبت وخیر سگالی کی دعوت دے رہے ہیں۔

تمہاری نفرتوں میں پیار کی خوشبو بسا دیں گے
ہماری بزم میں آؤ تمہیں اردو سکھا دیں گے

بزم اتحاد نالندہ نے ایسے افراد کو صرف ایک پلیٹ فارم ہی نہیں دیا ایک الگ کلچر سے روشناس بھی کرایا۔ دشمنان عناصر نے ہماری تہذیب کی جو بخیہ ادھیڑی تھی اس کی پیوند

کاری کردی گئی ہے۔آج رانا رنجیت سنگھ، سبھاش چندر پاسوان، مہندر کمار جیسے حضرات کے دروازے پر ہمارے خیر مقدم میں خوش آمدید کی تختیاں لگی ہیں۔ہم ایک دوسرے کو سمجھ رہے ہیں رشتے استوار ہو رہے ہیں۔ کثافت کے بادل چھٹ رہے ہیں۔ آفتاب حسن کے ڈرائنگ روم کا ہر نقشہ ذہن پر ثبت ہے۔ جہاں مذہب پر مدلل گفتگو چل رہی ہے۔ مذہب خود کو جدید چیلنج کے ساتھ پیش کر رہا ہے۔ پر مغز دلائل، سائنٹیفک توجیہ، نوک جھونک، مگر تلخ نوائی سے پرہیز، محبت کی راہ ہموار ہوتی گئی۔احمد دیدات صاحب کی کتاب 'What the Bible says about Mohammad کا ترجمہ رانا رنجیت سنگھ ہندی زبان میں کرتے ہیں غیر مسلموں میں کا پیاں تقسیم ہوتی ہیں۔ شا کی ذہن کے ساتھ کچھ احباب تشریف لاتے ہیں۔ان کے سوالات کا تشفی بخش جواب ملتا ہے۔عدوات کی دیوار چھوٹی ہوگئی ہے فضا ہمارے حق میں زیادہ سازگار ہوگئی ہے۔کل تک جو ذہن مشکوک ومشتبہ تھے وہ ہمدرد و ہمنوا بن گئے ہیں۔ بزم کی کارگزاری پر صرف گفتگو کی جائے تو داستان در داستاں ایک تاریخ مرتب ہوجائے گی بس یہ سمجھ لیجئے ہم نے بزم اتحاد کی صورت میں ملی مذہبی، سیاسی ہر میدان کو سر کیا ہے باہمی اختلاط ومعاونت سے تفریق کی ہر دیوار گرادی ہے۔

جناب تنویر ساکت صاحب کی دعوت پر میں نے رخت سفر باندھا۔وقت مقرر پر بس مل گئی۔ دوران سفر مجھے یہ الجھن نہیں تھی کہ مجھے کیا پڑھنا ہے۔ بزم اتحاد کے سامعین ناقص سے ناقص شعرا کو شرمندہ ہونے سے بچا لیتے ہیں۔ میں نے اپنے سر کو بس کی پش بیک سے ٹکا دیا۔ایک دفعہ پھر میرا ذہن ماضی کی آماجگاہ بن گیا۔ ماضی کے ہر وہ پل دل میں سرور وکیف کی ترنگ پیدا کر رہے تھے۔ مجھے سکندر علی سائل کی پار چون دوکان کا وہ منظر دعوت نظارہ دے رہا تھا جب ہم وہاں بزم کے مستقبل شعراء کے معیار، شاعری کے نکات پر گھنٹوں مباحثہ کیا کرتے تھے۔ بزم اتحاد کے شعراء پر مضامین، مقالات، ان کے کلام کو محفوظ رکھنے کی فکر حد درجہ رہتی تھی۔ میں نے اس میں کچھ پہل بھی کی کچھ مضامین تیار کئے گئے مگر یہ کوشش رائیگاں گئی۔ البتہ اس نشست نے میری علمی لیاقت میں کافی اضافہ کیا۔

سکندر علی سائل کی شاعری سے میں کافی محفوظ ہوا۔آپ نے ابتدا ہی سے عمدہ اور بہترین شاعری کا نمونہ سامع کی نذر کیا۔آپ کی شاعری حقیقی مناظر کی عکاس ہے۔کم وقت میں اپنی شناخت بنانا اور بتدریج اسمیں اضافہ کرنا آسان نہیں۔نالندہ اور عظیم آباد سے باہر آپ کی شاعری خراج وصول کر چکی ہے۔آپ ریڈیو اور ٹیلیویژن دونوں سے نشر ہو چکے ہیں۔ آپ آج کل خفا خفا سے ہیں۔بزمِ اتحاد کی کسی نشست میں شریک نہیں ہوتے۔بزم سے آپ کی بہت ساری شکائتیں ہیں جو بہت حد تک بجا بھی ہیں میں نے سکندر صاحب کو بارہا کلام کو محفوظ کرنے کی طرف توجہ بھی دلائی۔کہیں ان کی بے توجہی ایک آبگینہ کو گمنام نہ کردے۔آپکے کلام کو محفوظ کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

چھوڑی غزل تو شوخیٔ تحریر کیا رہی
جب بولنے لگی تو وہ تصویر کیا رہی
اُٹھی نہ اب تلک جو کبھی ظلم کے خلاف
بتلایئے کہ آپ کی شمشیر کیا رہی
تعلق توڑ ڈالا ہے جو اس نے
تو رشتہ اور گہرا ہوگیا ہے
گھرا ہے غم کے بحر بیکراں میں
مرا دل بھی جزیرہ ہو گیا ہے

محلّہ چھجو کی بڑی اڑان جو اس وقت ہمارے لئے زندہ دالان تھی اکثر تنگ ایوبی اور دیگر احباب کے یہاں شاعری کی محفل سجائی جاتی۔تنگ ایوبی اپنی شاعری اور مہمان نوازی دونوں کے لئے برابر مشہور ہیں سنجیدہ شاعری اور طنز و مزاح دونوں میں آپ کا خاص رنگ ہے بیک وقت ایک تیر سے دو شکار کرنے کے قائل ہیں ماشا اللہ ہر تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھتا ہے۔آپ کے والد بزرگوار جناب مہندی دیپ نگری صاحب بھی ایک عمدہ شاعر تھے دو چار نشستوں میں مجھے سماعت کا موقع ملا۔میں نے ہر مشاعرہ تنگ ایوبی صاحب کی داد کی

بدولت لٹا ہے۔ میرے ناقص کلام پر بھی آپ نے فیاضی سے داد لٹائی ہے۔ وہ زندگی کے کیا خوبصورت دن تھے۔ ہماری غیبت چغل خوری کا نشانہ بھی کسی شاعر کی ذات ہی ہوتی۔ ہم نے خرافات کو بھی ادب کا رنگ دے رکھا تھا۔ کچھ واقعات رقم کرنا چاہتا ہوں لیکن مضمون کی طوالت کا خدشہ ہے۔ ایک نشہ تھا، جس کا سرور ختم نہیں ہوتا۔ ایک خوبصورت شاعر کا تذکرہ ضرور کروں گا۔ آپ کی شاعری نے صرف سامعین کو متاثر ہی نہیں کیا آپ بزم کے حق میں مسلم ہندی صاحب کے شانہ بشانہ کھڑے بھی رہے۔ نوجوانوں کی رہبری حوصلہ افزائی بھی کی۔ بزم ان کی شاعری اور خلوص دونوں کی مقروض ہے۔ مجید عامر صاحب کی محبت ہمارے حق میں بھی خوب تھی۔ میں نے آفتاب حسن اور آپ کی ضد پر بزم اتحاد کی نظامت قبول کی یہ سلسلہ میری ہجرت تک قائم رہا۔ اس وقت موصوف کا ایک شعر مجھے یاد آرہا ہے جو کافی حد تک حالات کا ترجمان ہے۔

عامرؔ قلم کی نوک سے خنجر کا کام لو
وقتِ جہاد ہے یہ بتاتے ہوئے چلو

میرے ذہن کے پردے پر جس قدر ماضی کی تصاویر ابھر رہی ہیں اگر یہ ممکن ہوتا کہ ان کا انعکاس کسی پردے پر کیا جا سکتا تو آپ کی دلی کیفیت مجھ سے مختلف نہ ہوتی۔ ایک جوش، جنون، دیوانگی ایک ایسا جذبہ جہاں رہگزر سنگلاخ سہی منزل کا متلاشی آبلہ پائی کے باوجود برسرِ پیکار عمل ہے۔ مسلم ہندیؔ کو صرف اس لئے معتبر نہیں کہا جا سکتا کہ آپ نے بزم اتحاد کی صورت میں ہم جیسے شعراء کے لئے دل لگی، دل بستگی کا سامان مہیا کیا۔ میں نے دیکھا ہے موصوف نے ادب کی خدمت کے لئے کتنی صعوبتیں اٹھائی ہیں۔ مشاعرے کا دعوت نامہ ہاتھ سے لکھنا، ہر ماہ رپورٹ تیار کرنا، گلی محلے میں اس کو تقسیم کرنا، احباب کو اردو اور بزم کے حق میں ہم خیال بنانا، ماہانہ نشست کا اہتمام کرنا، آخر آپ کی محنت نے رنگ دیکھایا آہستہ آہستہ اہل ذوق خوش آمدید کہنے لگے۔ فرد سے افراد، افراد سے کارواں بنتا گیا۔ مسلم ہندی صاحب نے نوزائیدہ بچے کی طرح بزم کی پرورش کی ہے۔ یہ آپ کے

جنون کا کمال تھا کہ بہار شریف سے عظیم آباد تک اور عظیم آباد سے ملک کے کئی شہر تک اہل ادب نے ہزار پریشانی کے باوجود بزم کی دعوت پر لبیک کہا سفر کے اخراجات بھی خود برداشت کئے موسم اور حالات کی پرواہ نہ کی۔ گوہر شیخپوروی، شین احمد فاطمی، گہر عظیم ابادی، عظیم الدین عظیم، اشرف یعقوبی، حسن نواب حسنؔ وغیرہ کی شرکت ہمارے لیے باعث فخر ہے ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔کلیم عاجز، عطا کاکوی اپنی مصروفیت اور خرابیٔ صحت کی وجہ سے کسی نشست میں شریک نہ ہوسکے۔ مگر بزم کے تیئں آپ کی نیک خواہشات ہمشہ رہیں۔ انتقادی اصلاح عمل کے لئے مقتدر ذی علم سامعین کی کثیر تعداد ہمیشہ موجود رہی کچھ نام ذہن میں آرہے ہیں سوچتا ہوں درج کرتا چلوں۔ پروفیسر ضیاالدین محمد صابر، پروفیسر معین الدین خان، پروفیسر خورشید عالم، سید شاہ فضل محمد،شہاب دائروی،احسان الحق نظر،شاہد شرف الدین وغیرہ آپ حضرات نے دامے، درمے، سخنے بزم کی مدد بھی کی۔ پروفیسر خورشید عالم صاحب نے کئی نشست کی نظامت بھی کی تھی۔آپ کی نظامت کا انداز بہت خوبصورت تھا۔آپ کا ایک خاص لب ولہجہ تھا۔ چنندہ اشعار، ادبی لطائف پر نشست کا افتتاح اور اختتام دونوں ہمیشہ دلکش انداز میں کیا کرتے تھے۔ جناب اسرار عالم سیفی صاحب کی بہار شریف سے نقل مکانی کے بعد جب سکریٹری نشر واشاعت کی ذمہ داری مجھ خاکسار کے حصے میں آئی اس وقت بزم کا اصول یہ بھی تھا کہ عام حالات میں نظامت کا فریضہ سکریٹری نشر واشاعت کو ادا کرنا ہوتا تھا اسرار صاحب علم اور فن دونوں اعتبار سے منجھے ہوئے کھلاڑی تھے اور میں جہل کا پُتلا میں نے اس کا آسان طریقہ یہ نکالا کہ بطورِ ناظم خورشید صاحب کی نقل شروع کردی لیکن نقل کو بھی عقل درکار ہے بالکل فلاپ رہا۔ جلد ہی مجھے اپنی راہ آپ نکالنی پڑی۔

بزم اتحاد کا مجھ پر بڑا کرم ہے۔ اس نے مجھے تہذیب، شائستگی، فکر وفہم، زبان وادب سے روشناس کرایا۔اس تیز گام قافلے میں وہ متاعِ ذوق جو کہیں گم ہوگیا تھا اس کی کمی کو کسی حد تک دور بھی کیا۔

میرے خیال کا تسلسل اس وقت ٹوٹا جب میری بس بہار شریف کے گرد و پیش کا چکر لگا رہی تھی۔ میں نے اپنا فون چیک کیا۔ گھر سے لیکر آفس تک آٹھ دس مس کال اس پر موجود تھی۔ آفتاب بھائی کی بھی کال تھی۔ میں نے جلدی جلدی اپنا سامانِ سفر سمیٹا اور بس سے نیچے اتر آیا۔ بس اسٹینڈ سے مجھے آفتاب بھائی تک پہنچنے میں آدھے گھنٹے کی مسافت طئے کرنی پڑی۔ میں آپ کے دولت کدے پر حاضر تھا۔ رسمی ملاقات کے بعد دوپہر کے کھانے کا اہتمام تھا۔ میں نے بریانی کا خوب خوب لطف اٹھایا۔ پھر ہم لوگ لایعنی گفتگو کو سمیٹ کر خلوت کدے میں آبیٹھے۔ شخصیات کا مشاہدہ اور اس سے لطف اندوز ہونا میرے لطیف جذبات میں شامل ہے۔ میں نے کتاب کے مطالعہ سے زیادہ ریڈیمیڈ معلومات سے اپنی علمی لیاقت میں اضافہ کیا ہے۔ میں کرداروں کے ذریعہ اپنے خیالات، یادوں، اور خوابوں کی تشہیر کرنا چاہتا ہوں۔ میرے خاندان میں میرے مذہبی اور ادبی آئیڈیل میرے دادا جان محترم سید شاہ طہٰ اشرف امتھوی تھے اس کے بعد جس نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ جناب آفتاب حسن شمسؔ کی شخصیت ہے۔ میں آپ میں شاہ طہٰ صاحب کا پرتو دیکھتا ہوں۔ آپ کے معمولی سے معمولی واقعات کو بھی میں گراں قدر قیمت پر خریدنے کو تیار ہوں۔ مذہبی، ادبی، ملی، سماجی ہر اعتبار سے آپ ان کے شعور کا اعتراف کرتے نظر آئیں گے۔ ان کے فکر میں جو احساس کی تجلی ہے وہ جذبات کے اسلوب کو انفرادیت کا الگ رنگ دیتی ہے۔ ذوقِ تجسس نے آپ کے مطالعے کو کافی وسیع کر دیا ہے۔ اردو شاعری اور مختلف ادیان پر آپ کی جدید سوچ نے بوجھل اور روایاتی نظریات سے ہمیشہ گریز کیا ہے۔ بحیثیت شاعر آفتاب حسن شمسؔ ایک کامیاب شاعر کی فہرست میں نظر آتے ہیں ان کی شاعری اردو کے ہر ارتقائی مراحل کو طئے کرتی ہوئی ان کی کشادہ ذہنی کی داد وصول کر چکی ہے۔ آپ تخیل اور جذبے کو بہت ہی فنی نزاکتوں سے مربوط کرتے ہیں۔ ہر نظم اور ہر غزل میں آپ کو تمام شعری لوازم نظر آئیں گے جن کے متناسب مجموعہ کا نام شعریت ہے، جس کی وسعت کا کوئی جغرافیہ متعین نہیں کیا جا سکتا نئے تجربے، نئی امیدیں، مرحلہ شوق، سرشاری، دلسوزی

شعریت کا خاصہ ہیں انسانی ذہن کے تعمیر و تشکیل میں بلاشبہہ آپ کی شاعری ایک اہم کردار نبھا سکتی ہے۔ آج میں اس خلوت کدہ میں افکارِ تخیل، فکر و شعور، حسن و عشق، جہانِ اضطراب، فلسفہ غم، تارِ نفس کی باریکیوں پر غور کر رہا تھا ایسا نہیں ہے کہ میں نے آفتاب حسن کو کبھی قرینے سے پڑھا نہیں تھا میں نے بالکل پڑھا تھا آج سے بائیس سال قبل میں ہر تخلیق شدہ غزل کا پہلا سامع ہوا کرتا تھا۔ اس وقت میرا فہم اتنا بلند تو نہیں تھا کہ میں آپ کے کلام کا کوئی معیار مقرر کر سکتا۔ ہاں ایسا لگتا تھا کہ آپ کچھ علیحدہ کہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ فطری اعتبار سے میری طبیعت میں لا ابالی پن تھا۔ میری ذہنی ساخت کی تعمیر و تشکیل میں آپ کی شخصیت کا بڑا دخل ہے۔ میں نے شاعری میں نہ آپ کی پیروی کی ہے اور نہ باضابطہ آپ کی شاگردی اختیار کی ہے یوں بھی میری شاعری کا رنگ جدا ہے۔ کبھی کبھی خیال ہوتا کہ کچھ کلام پر آپ کی اصلاح لے لوں مگر آپ کی التفاتِ نظر مجھے ہمیشہ مایوس کرتی رہی میں نے اس ستم ظریفی کے باعث اشعار کہنا ترک ہی کر دیا۔ لیکن اسکے باوجود آپ کی صحبت ہمارے لئے پیرو مرشد کی صحبت تھی۔ آپ کی صحبت نے میری کردار سازی مذہب پسندی ادب سے محبت فکر و فہم کو ایک جدا رنگ دیا۔ میں اس ڈرائنگ روم میں کئی مشہور ہستیوں سے روبرو رہا ہوں۔ قادیانیت، عیسایت، ہندو مذاہب کے کئی مبلغین کے دلاویزانہ مناظرے گفتگو سے مستفیض ہوا ہوں۔ آفتاب حسن کی شخصیت کا جب آپ جائزہ لیں گے تو سب سے بڑی الجھن آپ کے ساتھ یہ ہوگی کہ آپ کس رخ کا کس طرح جائزہ لیں ادبی، سماجی، مذہبی، ہر پہلو آپ کو دعوت فکر دے گا۔ اصطلاحی طور پر آفتاب حسن نہ کوئی مفکر ہیں نہ سند یافتہ عالم، لیکن عملی طور آفتاب حسن شمس نے مذہب مخالف سماجی دشمنان عناصر و ملحدین کی ذہن سازی پر کافی محنت کی ہے ہر گفتگو مباحثہ مناظرے میں مذہب سے بیزاری، اسلام کی مخالفت، مذہب کی ضرورت، اور اسلام کی حقانیت کو سائنٹفک دلائل سے ثابت کیا ہے سماج کا ایک بڑا طبقہ آپ کی اس فکر کا قائل و گرویدہ ہے۔ آپ کے اصلاحی و مذہبی مضامین اخبار و جرائد میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ ردقادیانیت پر کچھ احمدی حضرات سے رسل و رسائل رہے ہیں

وہ بھی کافی دلچسپ اور معلوماتی ہیں اسلام میں پردے کی اہمیت پر 'حجاب و نقاب' کے عنوان سے ایک مدلل بحث کی ہے۔ پردے کی ضرورت کو سائیٹفک انداز میں سمجھایا ہے یہ کتاب پچیس سال قبل لکھی گئی تھی کچھ ان کی کاہلی یا مالی مشکلات کے سبب شائع نہ ہو سکی آج پردے کی اہمیت پر اس ریسرچ کے ساتھ مختلف مصنفین کی کتاب بازار میں دستیاب ہیں۔ قدر و قیمت کے لحاظ اس کی اہمیت کم ضرور ہو جاتی ہے مگر دینی اعتبار سے یہ کتاب اس مضمون میں ایک اضافہ ہے۔ ایک کتابچہ 'سناتن دھرم کے دشمن' کے عنوان سے پڑھنے کا اتفاق ہوا محترم نے ہندو علماء کے مفسدانہ رویہ، علمی چوری، مذہب میں بیجا مداخلت، پر بھر پور تبصرہ کیا ہے۔ ہندو احیاء پرستی ہندتوا کا آئیڈیل ماڈل تیار کرنے کی کوشش میں کتنی ریشہ دوانیوں سے کام لیا گیا ہے اس کتابچہ میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ آپ ہزار نظریاتی اختلاف کے باوجود ایسے سماج کے دلدادہ ہیں جہاں نفرت سے گریز کرتے ہوئے ایک صحت مند معاشرے کی بنیاد رکھی جائے ایک ایسا ماحول جہاں ایک صحت مند تبادلہ خیال کی گنجائش ہمیشہ قائم رہے 'اسلام کا ارتھ شانتی ہے' یہ صرف آپ کے مضمون کا عنوان ہی نہیں یہی آپ کا مقصد بھی ہے۔ میں نے آفتاب حسن کو جس انداز میں پڑھا اور غور کیا ہے۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ اس ہیجانی ماحول میں اس طرح کے معتدل ذہن کی سخت ضرورت ہے۔ ابھی میرے مضمون کا عنوان صرف آپ کی ذات نہیں ہے میں نے سارے تذکرے صرف اس لئے کئے ہیں کہ بزم اتحاد کے قیام سے قبل آپ کی شخصیت دینی ادبی سماجی اعتبار سے مقبولِ عام نہیں تھی۔ بزم اتحاد نے آپ کے اندر چھپی ہوئی صلاحیت کو بروئے کار لایا مختلف عنوانات پر آپ کو بحث و تحقیص کی دعوت دی۔ بزم اتحاد کے ابتدائی دور میں آپ کا کیا رول تھا آپ کی شاعری کس نشیب و فراز سے گزری ہے میں نے اپنے مضمون آفتاب حسن شمس ایک رخ ایک جائزہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

میرے دل میں ایک عجیب ترنگ تھی۔ مجھے گزرتے ہوئے وقت کا احساس بھی نہیں ہوا اور آخر وہ گھڑی آ ہی گئی جس کے لئے یہ سفر طئے کیا گیا تھا۔ ہم شام کی چائے سے

فراغت حاصل کر کے اس منزل کی جانب روانہ ہو گئے یہ الگ بات ہے کہ ہم پابندئ وقت کا خیال نہ رکھ سکے۔ دیر سے ہی سہی ہم اپنی منزل پر حاضر تھے۔ تنویر ساکت صاحب کا دولت خانہ نظر کے سامنے تھا آج کی نشست کی میز بانی خود موصوف نے سنبھال رکھی تھی۔ وہاں ایک تہوار کی سی گہما گہمی تھی۔ شعراء سے حاضرینِ مجلس تک کی کیفیت اس شعر کے مصداق تھی

میخانہ یورپ کے دستور نرالے ہیں
دیتے ہیں سرور اول لاتے ہیں شراب آخر

تنویر ساکت صاحب اپنی دروازے کی دہلیز پر شعراء اور شایقین کا خیر مقدم کرتے ہوئے ملے اور پھر ہم لوگ رسمی ملاقات کے بعد سیڑھیاں طےٴ کرتے ہوئے پہلی منزل کے کشادہ صحن میں جا پہنچے جدید طرز کے ہال نما ڈرائنگ روم میں قیمتی صوفے کے ساتھ قالین پر سفید چادر بچھی ہوئی تھی اس ہال میں کم وبیش پچاس آدمی کی نشست کا مکمل انتظام تھا۔ صوفے پر مہمان خصوصی، صدر مشاعرہ، ناظم مشاعرہ، کی نشست کا اہتمام کیا گیا تھا۔ حاضرین اور شعراء کی فہرست تقریباً مکمل ہو چکی تھی۔ ہم نے اپنی اپنی جگہ لے لی کچھ توقف کے بعد نشست کی کاروائی کا اعلان ہو گیا نظامت کی ذمہ داری جناب غفران الحق نظر صاحب نے قبول کی۔ آپ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے آپ بحثیت جنرل سکریٹری بزم کے لیے کافی فعال رہے ہیں۔ آپ نے ہر انداز سے بزم کے لئے اپنی خدمات پیش کی ہیں بزم کے رفقاء آپ کی اس خدمت پر ہمیشہ مشکور ممنون رہتے ہیں۔ آپ کی نظامت بھی نہایت خوبصورت ہوتی ہے۔ آپ کا انداز تخاطب اور دعوت سخن دینے کا انداز نہایت عمدہ ہے۔ حسب مراتب شعراء کی شان شایان منتخب اشعار پیش کرنے کا ملکہ محفل کی خوبصورتی میں ایک اضافی سبب بنتا ہے۔ غفران الحق نظر صاحب کے بعد اپنی نشست بطور مہمان خصوصی جہان آباد سے تشریف فرما شاعر جناب ساگر آنند صاحب نے سنبھالی۔ آپ کی مادری زبان اردو تو نہیں ہے مگر اردو کی چاشنی نے آپ کو اسکا دلدادہ بنا دیا

ہے۔ اکثر شعری نشست میں آپ کی موجودگی متوقع رہتی ہے۔ جس طرح ڈاکٹر، انجینئر، پروفیسر، حضرات اپنے نام کے ساتھ ڈگریوں کا اضافہ شان فخر سمجھتے ہیں اسی طرح جناب ساگر آنند صاحب بھی اپنے نام کے ساتھ غزلکار کا اضافہ ضروری جانتے ہیں بقول موصوف ڈگریاں سماجی خدمت سے زیادہ دولت کمانے میں معاون ہوتی ہیں۔ جب پروفیسر ڈاکٹر انجینئر مکمل پروفیشنل ہونے کے باوجود نام کے ساتھ ڈگری کا اندراج واجب سمجھتے ہیں۔ پھر یہاں خدمت خالص ادب کی ہے۔ ادب کی خدمت خالص سماجی اصلاحی ہوا کرتی ہے۔ سینکڑوں فنکار اس غم میں رخصت ہوگئے کہ میرے متاعِ فن کی یہ دنیا کوئی قیمت ادا نہ کرسکی۔ ساگر آنند صاحب خوب کہتے ہیں بیتحاشہ کہتے ہیں۔ مجھے آپ کو سننے کا اتفاق کم رہا ہاں یہ میں ضرور کہوں گا قاری یقیناً آپ کو فراموش نہیں کر سکتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان دلکش مناظر کی تصاویر کھینچنا آسان نہیں۔ میں اس منظر کی دلکشی میں اسقدر مبہوت تھا کہ کب ناظم مشاعرہ نے صدرِ مشاعرہ کا اعلان کیا مجھے پتہ ہی نہیں چلا۔ جناب یعقوب اطہؔر ہلسوی صاحب کی شان شایان جب ناظم مشاعرہ تہنیتی جملے سے آپ کی شخصیت اور فنکارانہ صلاحیتوں پر تبصرہ فرمارہے تھے تب مجھے احساس ہوا کہ باضابطہ نشست کا آغاز ہو چکا ہے۔ موصوف نے جب مسندِ صدارت سنبھالی تو میں ماضی کے ان مناظر میں گم ہوگیا جب یعقوب اطہر ہلسوی صاحب کے ساتھ پہلو در پہلو ڈاکٹر مظفؔر الدین دردائی، انعام الحق اختر، مسلم ہندیؔ، مائل بہاری، مجید عامؔر صاحب کی جیسی شخصیات ہوا کرتی تھیں۔

اٹھ گئی ہیں سامنے سے کیسی کیسی صورتیں
روئیے کس کے لیے کس کس کا ماتم کیجئے

اردو شاعری کی اساس اور امتیاز، غزل گوئی کی مرہون نظر ہے۔ غزل کے لغوی معنی عورتوں سے باتیں کرنا حسن و جمال کی تعریف کرنا ہے غزل میں جنسی تصورات سے احتیاط کیا جائے ناممکن ہے۔ یہ مضمون ہزار درجہ پامال ہونے کے باوجود ایک خاص نوع کی شگفتگی اور پاکیزگی کے ساتھ مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ حسن و عشق کا مضمون ایک عام قاری

کو بہت متاثر کرتا ہے۔ جذبات و کیفیات کو سمجھنے کیلئے دل کے ساز پر پہلا نغمہ معاملات عشق کا ہوتا ہے۔ لہٰذا اس عشق کی نوعیت سے جب تک ہم واقف نہیں ہوں گے غزل کے فن کو سمجھنے میں دشواری آئے گی۔

ان کے رخسار پر ڈھلکے ہوئے آنسو توبہ
میں نے شبنم کو بھی شعلوں پہ مچلتے دیکھا
آپ پہلو میں جو بیٹھیں تو سنبھل کر بیٹھیں
دلِ بیتاب کو عادت ہے مچل جانے کی
پوچھا جو ان سے چاند نکلتا ہے کس طرح
زلفوں کو رُخ پہ ڈال کے جھٹکا دیا کہ یوں

یہ زبان کی چاشنی اندازِ بیان جذبات میں حدت جنسی تصورات سے ہی پیدا ہوتی ہیں۔ ان تمام شعراء کے اشعار میں شاعرانہ خیال اور بیان کی سطحیں یکساں ہیں۔ یہاں فکر و فلسفہ تفکرانہ خیال کی جھلک تو نہیں ملتی مگر حسن و جمال کی انوکھی کیفیت یہاں چار چاند لگا رہی ہے۔ میں بزم اتحاد میں ایسے شاعر کو جانتا ہوں جس کی شاعری خالص رومانی، جذباتی، جمالیاتی، حسن و عشق کی عکاس ہے۔ یہاں الفاظ کے پیکر میں حسن بتاں کی جو تصویر کھینچی گئی ہے۔ اسکی فیاضی میں داد و تحسین کے جتنے بھی موتی لٹائے جائیں کم ہیں۔ آپ کا یہ امتیاز کمال آپ کی شخصیت کا خاصہ ہے۔ ڈاکٹر مظفر الدین دردائی کی یہ صفت ہی مجھے آپ کے قریب لے جاتی ہے۔ میں نے برسوں آپ کی صحبت میں اس رنگ کا لطف اٹھایا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ میرے ذہن پر جو قلعی کی گئی تھی اس نے اس رنگ کو قبول ہی نہیں کیا۔ میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں۔ اگر آپ کا مجموعہ کلام منظر عام پر آجائے تو ہر ناقدین ادب کو اظہارِ خیال بحث و تمحیص سے دو چار ہونے کا موقع ضرور فراہم کرے گا۔ میں نے مظفر الدین دردائی کو صرف سنا ہے پڑھا نہیں، جب قاری کسی تحریر کو پڑھتا ہے پھر اپنا ایک نظریہ قائم کرتا ہے بعض قاری شاعر کے مضمون سے اختلاف کرتے ہوئے اشعار سے بہت خوبصورت

خیال نئ کیفیت نکال لیتے ہیں یہ بھی ایک اتفاق ہے کہ مجھے کسی جراید و رسائل سے بھی موصوف کو پڑھنے کا موقع نہ ملا اور نہ آپ اپنے آخری ایام میں کسی اخبار کی زینت بن سکے فطرت نے جوفن دیا تھا وہ کمال وفن مشاعرے تک محدود رہا۔ بقول آفتاب حسن ایک بار ڈاکٹر صاحب نے اپنے کلام کو شائع کرنے کا ارداہ بھی کیا تھا اور اس غرض سے آفتاب صاحب کے پاس آئے بھی وہ چاہتے تھے آفتاب صاحب ترتیب وتدوین کی ذمداری اٹھا لیں اور نیک مشورے سے نوازیں۔ میرے خیال میں آپ نے شخصیت کا غلط انتخاب کیا تھا۔آفتاب صاحب اپنے معاملات میں خود لاپرواہ ہیں۔ ورنہ ''ضیائے شمس'' کی ضیاء آفتاب بن کر ضرور ابھرتی۔آج بھی ڈاکٹر صاحب کا شعری مجموعہ آفتاب صاحب کے پاس امانت کے طور پر محفوظ ہے۔مگر فی الوقت مجھے دستیاب نہیں میں پریشان ہوں قاری کے سامنے میں کیا کچھ پیش کروں دلاویزانہ گفتگو، خوبصورت تمہیدی جملے، ان کی فنکارانہ صلاحیت کا معیار نہیں ہوسکتے۔ ہاں آپ اپنی علمی لیاقت کی داد ضرور وصول کر سکتے ہیں۔ بزم اتحاد نالندہ کا بڑا کرم ہے کہ اس وقت ہمارے پاس 125 ویں نشت کا سوونیر موجود ہے۔ جہاں موصوف کا کچھ کلام اور تعارفی خاکہ موجود ہے۔ میں بزم اتحاد کے جنرل سکریٹری جناب غفران الحق نظر صاحب کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے اس تحفے سے نوازا۔ ''شعرائے نالندہ''بہار شریف کی ادبی سرگرمی کی ایک تاریخ ہے۔ بزم اتحاد نالندہ کے شعراء ان کے چنندہ کلام اور تعارفی خاکہ پر مشتمل بزم کی ایک عمدہ کوشش ہے۔ بزم اتحاد نے یہ کوشش تو کی کہ اس نے اپنے محبان کو دفینے میں دفن ہونے سے بچالیا۔ اس وقت ہمارے پاس ڈاکٹر صاحب کا یہی اثاثہ اور کچھ یادیں کچھ باتیں ہی بس رہ گیی ہیں۔ یہ معلومات جو آپ کے خاندانی پس منظر اور کمال فن پر روشنی ڈالنے کیلئے ناکافی ہیں۔ میں نے مظفر صاحب کے فن سے متعلق جو تمہیدی جملے نقل کئے ہیں اور یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ آپ عشقیہ مضامین کو باندھنے میں کمال کی دسترس رکھتے تھے۔ یہ صرف میری خام خیالی نہیں ہے۔ اگر ان کے لہجے کی انفرادیت اور اس جذبے کی مختلف ومتنوع تصاویر پر غور

کیا جائے اوراس اندازِ بیاں کی پیروی کو بدعت نہ سمجھا جائے تو اس دور میں مرزا داغؔ دہلوی کی روح مظفؔر الدین دردائی کے لہجے میں ہمکلام ہے۔ یہ انداز زخمی بھی ہے، پامال بھی، توانا بھی ہےاور سرفراز بھی۔ جدید ادب نے فن کو سمجھنے پرکھنے جانچنے کا طریقہ بیشک بدل دیا ہے۔غزل کی زبان مختلف ہوچکی ہے۔مگر قیس،شیریں فرہاد کے قصے آج بھی جدید شعرا کے کلام میں کسی نہ کسی صورت ظاہر ہو جاتے ہیں۔آیئے مظفر صاحب کے دوشعر بطور نمونہ میرے دعویٰ کی دلیل میں ملاحظہ فرمایئے۔

رس بھرے ہونٹ اگر دل کے طلبگار ہوئے
میں تو انساں ہوں فرشتوں سے بھی انکار نہ ہو
میں تو عاشق ہوں ہر اک غم سے گزر جاؤں گا
دل تمہارا کبھی آزردہ افکار نہ ہو

آپ اس رومانی اشعار سے گزرنے کے بعد اگر مظفر صاحب کے انداز بیان پر غور کریں گے۔تو یہ بھی معلوم ہوگا یہ لفظوں کا انتخاب، زبان کی چاشنی صرف ان کے مطالعہ کا نتیجہ نہیں ہے۔ یہ جوش، جگر، جذبی وغیرہ کی برابر کی صحبت کا نتیجہ ہے۔آپ پوری پوری غزل فی البدیہہ کہہ دیا کرتے تھے۔ابھی ہمارے سامنے بزم اتحاد کا جوسوونیر موجود ہےاس میں ایک ایسا ہی واقعہ آپ سے منسوب ہے۔ایک محفل میں جوش، جگراور مجاز و جذبی موجود تھے۔ یہ محفل کب اور کہاں منعقد ہوئی یہ مشاعرہ کی محفل تھی یا محفل رندانہ تھی اس کا ذکر تو نہیں ملتا مگر آپ نے اس نشست میں جو فی البدیہہ اشعار کہے تھے وہ نقل ہے۔ میں یہ اشعار آپ کی سماعت کو نذر کررہا ہوں۔

مخمور چاندنی میں وہ تاروں کی دلکشی
آنکھیں کسی کی یاد جو آئے تو کیا کروں
رکھنا بچا کے کلیوں سے اپنا بھی آشیاں
گھر کا چراغ گھر جو جلائے تو کیا کروں

مظفر صاحب کا خاندانی پس منظر بہت شاندار ہے۔آپ کے والدمحترم جناب حکیم سراج الدین صاحب سرتھوا ضلع نالندہ کے مشہور زمیندار تھے۔رئیسانہ ٹھاٹ باٹ اور زمیندارانہ ماحول میں آپ کی پرورش ہوئی گھر کا ماحول دینی و ادبی تھا۔جہاں آپ کے ایک بھائی حکیم سید اشرف جہانگیر ندوی دارالعلوم ندوہ سے فارغ تھے وہیں دوسرے بھائی پروفیسر معین الدین دردائی کی شخصیت برصغیر کی مشہور ادبی شخصیت تھی۔ پروفیسر معین الدین دردائی نے ادب میں بہت ساری تحقیقی تصانیف کا اضافہ کیا۔صوفیاءسندھ اور اردو، اسرار الاولیاء،صوفیاء بہار ،اور اردو، تاریخ سلسلہ فردوسیہ، اردو رسم الخط، جلوے ،وغیرہ آج یہ کتابیں نادر و کمیاب ہیں۔ پروفیسر معین الدین دردائی کی شخصیت اور کارنامے پر برِّصغیر میں کئی مشاہیر فن کی طرف سے کئی مقالے ومضامین لکھے گئے ہیں۔ بہت سارے طلباء نے اپنے ریسرچ میں آپ کی شخصیت اور کارنامے کوموضوع بنا کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے۔مظفر صاحب کی یوم پیدائش 22 فروری 1922 کی ہے۔اس وقت اردو زبان تہذیب وثقافت کی علمبردار تھی۔ ہر خاص وعام شعر گوئی کی فہم رکھتا تھا۔معیاری وغیر معیاری کی بحث اپنی جگہ الگ تھی۔آپ کی اسکولی تعلیم جہاں جامعہ ملیہ اسلامیہ سے ہوئی وہاں آپ نے انٹرمیڈیٹ کے لئے عظیم آباد (پٹنہ) کارخ کیا پٹنہ یونیورسٹی سے آپ نے انٹرمیڈیٹ پاس کیا۔سن پیدائش کی مناسبت سے آپ کی عمر اس وقت 17 یا 19 کے درمیان ہوگی سن عیسوی کے مطابق 1940 یا 1941 کا زمانہ ہوگا۔شاد عظیم آبادی کو دنیا سے رخصت ہوئے 13 سال کا عرصہ ہوا تھا۔اس وقت بھی شاد اور فضل حق آزاؔد کی شاعرانہ چشمک کا تذکرہ ادب کے ہر کوچہ ودالان میں زور وشور پر تھا۔بسملؔ عظیم آبادی،حمیدؔ عظیم آبادی،جمیلؔ مظہری،عزیزؔ عظیم آبادی، ثاقبؔ عظیم آبادی، دبستان عظیم آباد میں ایک نئے باب کا اضافہ کررہے تھے۔عظیم آباد میں مشاعرے کی شمعِ فروزاں آب وتاب سے روشن تھی۔اسکول و کالج میں مقامی وبیرونی شعرا کی شرکت اس وقت طلباء کے لیے صرف تفریح وطبع کا سامان نہیں تھی۔ یہ ایک مکتبہ فکر تھا۔ یہاں رموز ونکات، ترکیب واستعارہ، الفاظ کی بندش بحر

اوزان، علم والعروض پر تفصیلی بحث ہوتی تھی۔ مظفرالدین دردائی کی شاعرانہ صلاحیت کو اس ربط باہم نے لاشعوری طور پر متاثر کیا۔ اور یہی حساسیت ان کی کاوش کی بنیاد بنی۔

ویران کیجئے کہ دلوں کو بسایئے
مے کش تمام آپ کے میخانہ آپ کا

اس ماحول نے ہیرے کی تراش خراش میں کوئی کمی نہ چھوڑی۔ آپ نے ہر اصناف کو سمجھا اور برتا حمد و نعت، نظم و رباعی قطعات اور دیگر اصناف سخن پر بھی محنت کی مگر تخلیقی اعتبار سے آپ کی فنی صلاحیت غزل کے میدان میں زیادہ کامیاب نظر آتی ہے۔ عشق حقیقی ہو یا مجازی آپ کا کلام اسی پسندیدہ مضمون کے تحت گردش کرتا ہے۔ میں یہ نہیں کہوں گا کہ موصوف نے دوسرے مضامین کے لئے شاعری میں کوئی جگہ نہیں رکھی تھی۔ آپ کے کلام میں ایسی مثالیں بھی ملیں گی جن میں دعوتِ فکر و عمل، خیر و فلاح، حیاتِ جاودانی کا سبق ملتا ہے آپ کا انقلابی اندازِ فکر بھی خوب تھا۔ لال قلعہ کے ایک مشاعرے کی روداد موصوف نے سنائی تھی۔ آپ کے ہم زلف اعجاز حسنین صاحب جو اس وقت غازی آباد بی جے پی اقلیتی مورچہ کے صدر تھے ان کی درخواست پر اس کل ہند مشاعرے میں موصوف نے شرکت فرمائی۔ 'سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا' کی تضمین میں نے سنی ہے۔ یہاں ہندوستان کی زبوں حالی عوام کے مستقبل کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ ملک کی قیادت کا آئینہ دار ہے۔ افسوس میں یہاں وہ نقشہ پیش کرنے سے قاصر ہوں۔ انشا اللہ اگر مجھے آپ کی بیاض حاصل ہوئی اور طبعیت موزوں ہوئی تو میں اپنے کسی مضمون میں ضرور اس عنوان کے تحت بھی اس ذہنی کیفیت کو پڑھنے کی کوشش کروں گا۔ میرا دعویٰ اس کے باوجود اپنی جگہ برقرار رہے گا کہ موصوف قدرتی طور پر فطری شاعر تھے۔ جدید اور ترقی پسند شاعری سے ہمیشہ احتیاط برتا۔ نئی رہگزر، پر پیچ ڈگر پر چلنے کے قائل نہ تھے۔ آپ کا خیال تھا جدت پسندی زبان کی سلاست و روانی کو قائم نہیں رکھ سکتی۔ اس وجہ سے آپ کی شاعری کے زیادہ تر اشعار، حسن و عشق، آہ و فغاں، سادگی، بانکپن، شوخی شرارت وصل و فراق پر مشتمل ہے۔

یہاں فکر کی شدت کم اور زبان کا ذائقہ زیادہ ملتا ہے۔

ہیرے کی طشتری میں یاقوت رکھ دیا ہے
یا سونے کی تھال پر اک جلتا ہوا دیا ہے
ایک شمع جل رہی ہے مژگاں کی انجمن میں
یا مسکرا رہی ہے کوئی کلی چمن میں ہے
عاشق نے اپنے خوں سے عہد وفا لکھا ہے
قرباں گہہ وفا پر دل اپنا رکھ دیا ہے
ہم پشیماں ہیں وفا کرکے
تم بھی تو نہیں خوش جفا کرکے
کیسے کاٹی شب فراق نہ پوچھ
کٹ گئی ہے بس خدا خدا کرکے

یہاں آپ لہجے کی شوخی بیبا کی شرارت حسن افرینی رومان پروری کا ایک الگ رنگ ملاحظہ فرمائے۔ میں نے یہ اشعار مظفر صاحب سے سنے تھے حافظے میں محفوظ رہ گئے یہ زبان کی شوخی و شگفتگی اندازِ بیان داغ کا خاصہ ہے مگر یہ رنگ یہاں بھی وہی لطف دیتا نظر آئے گا۔

رات ہوجائے نہ یہ شرم سے پانی پانی
زلف کھولے ہوئے جاتے ہو سر شام کہاں
صبحِ رخسار پہ چھا جائیں نہ غم کے سائے
مجھ پہ جو گزرے ، مگر تُو تو دل آزار نہ ہو

ایک دوسرے کے حالات سے باخبر رہنے کا فطری مادہ قدرت نے انسان کے مزاج میں خاص طور پر رکھا ہے۔ اس تعلقات میں اگر لالچ کا عنصر شامل ہوجائے تو اس طرح کے تعلق کو استوار کرنا اور اسکو برقرار رکھنا لازم ہو جاتا ہے۔ مظفر صاحب جب تک

بہار شریف میں قیام پذیر رہے میری ملاقات مستقل ہوتی رہی۔ ہمارے غریب خانہ سے آپ کے گھر کی دوری بمشکل دس بیس قدم پر تھی۔ دائرہ اور محلّہ بارہ دری کے درمیان آپ کے گھر کی سرحد لگتی تھی۔ گھر کا باہری حصہ بیک وقت ڈرائنگ روم اور کلینک دونوں کے کام آتا تھا۔ آپ ایک کامیاب شاعر کے ساتھ ہومیو پیتھک ڈاکٹر بھی تھے اکثر شاعر اور مریض دونوں کی مزاج پرسی ایک ہی نشست میں کیا کرتے تھے۔ ہاں یہ الگ بات ہے۔ آپ مریض سے فیس وصول کرتے تھے اور شاعر مفت شفا (اصلاح) پاتے تھے۔ کچھ عقلمند مریضوں نے جو یہ تماشہ دیکھا تو شاعر بن گئے۔ موصوف کے پاس ایسے شاگردوں کی تعداد اچھی خاصی تھی۔ جنہیں اصلاح کے نام پر مفت غزل عنایت کر دی جاتی تھی۔ اکثر میں اس لالچ میں اوٹ پٹانگ تحریر لیکر حاضر ہو جاتا تھا۔ اس زمانے میں، میں ہمیشہ خواہاں رہتا تھا کہ استاد سے اصلاح کے نام پر مفت غزل مل جائے مگر بد قسمتی دیکھئے میں نے جس رنگ کی شاعری کا انتخاب آسان سمجھ کر کیا تھا۔ وہ صنف سخن ہمارے لئے جان کا عذاب ثابت ہوئی۔ استاد طنز و مزاح میں غزل نہیں کہتے تھے اور میں استاد کے رنگ میں شاعری نہیں کرتا تھا۔ اس کے باوجود اس رنگ میں فن کے اعتبار سے اصلاح کی کچھ گنجائش تو ہو سکتی تھی۔ مگر فن کے تعلق سے بھی کلام کا معیار اسقدر سطحی ہوتا تھا کہ وہ اصلاح کے تقاضے کو پورا نہیں کرتا تھا۔ مجھے اکبر، دلاور، نظیر و واہی کو پڑھنے کی تلقین کی جاتی تھی۔ مظفر صاحب نے اپنے ارد گرد خوشامدی شاگردوں کی خاصی تعداد جمع کر رکھی تھی۔ آج افسوس آپ کی شاعرانہ خصوصیات پر کوئی قلم اٹھانے والا نہیں۔ مسلم ہندی اور یعقوب اطہر ہلسوی صاحب کا معاملہ ذرا مختلف ہے۔ یہاں شاگردوں کو اس گناہ کبیرہ سے بچا لیا گیا۔ مسلم ہندی صاحب نو آموز شعرا کی اصلاح شدہ غزل اس وقت تک محفوظ رکھتے تھے جب تک کہ وہ فن کی نزاکت سے واقف نہ ہو جاتے تھے۔ کبھی کبھی یہ دیکھا گیا وہی اصلاح شدہ غزل کئی استاد کی میز پر گردش کر رہی ہے۔ مشاعرہ میں استاد حیران و پریشاں ہیں شاگرد کا دس دنوں میں معیار اس درجہ بلند کیسے ہو گیا۔ بعض دفعہ طرحی مشاعرے میں استاد سے معیاری غزل شاگرد کی ہو جاتی

تھی۔ سامعین برملا کہنے پر مجبور ہوتے تھے۔ ع ذرے کا آفتاب سے اونچا مقام ہے۔ مسلم ہندی صاحب کے اس اصول نے کئی نام نہاد شاعر کے چہرے سے نقاب کو ہٹایا۔ ایسے حضرات کو ادب کی چوری وقت کی بربادی سے بچالیا۔

مظفر صاحب کی قربت میں میں نے کئی ماہ وسال گزارے میں نے بہت ساری حقیقت کو افسانہ سمجھ کر بھلا دیا۔ فراق، مجاز، عزیز، جذبی، جگر، جوش، جمیل مظہری وغیرہ سے شرف ملاقات کب اور کیسے ہوئی۔ آپ کی شاعری کے تعلق سے مشاہیر ادب کے کیا تاثرات تھے۔ ذکر کے قابل ہیں۔ مگر افسوس ذہن میں وہ واقعات اسقدر گڈمڈ ہیں کہ کوئ صحیح تصویر پیش کرنا مشکل ہے۔

آزاد ساز دل پہ ہیں رقصاں وہ زمزمے
خود سن سکوں مگر نہ کسی کو سنا سکوں

مظفر الدین دردائی صاحب نے بہار شریف کو کیوں خیر آباد کہہ دیا میرے لئے سربستہ راز ہے۔ بہار شریف سے آپ کا مسکن اسلام پور ہو گیا۔ آپ کی ذات ہمارے لئے ایک انجمن تھی۔ میں نے اقبال، شاد، آزاد، کو اپنے تصورات کی دنیا میں جو رتبہ ان کی شخصیت اور علمی لیاقت کی بنیاد پر عطا کیا تھا۔ وہ خیالی پیکر ڈاکٹر صاحب کی صحبت، سحر بیانی، دلکش انداز مناظر کی بنیاد پر تیار کیا گیا تھا۔ میرا شعور اسقدر پختہ نہ تھا کہ میں فرداً فرداً ایسی ہستیوں کو پڑھوں ان کے نظریات وفکر، انداز تخیل، لہجے کا زیروبم، شاعری کے نشیب وفراز کو سمجھ سکوں۔ بزم کی رونق وہی تھی۔ ادبی ماحول وہی تھا۔ اس کمی کے ازالہ کے لئے بزم میں باصلاحیت اشخاص کی کمی نہ تھی مگر دل کی کسک باقی رہی۔ کبھی کبھی بزم کی نشست میں موصوف سے ملاقات ہو جاتی تھی ہر ملاقت اس درجہ مختصر ہوتی کہ میں پہلی ملاقات کی تشنگی دوسری ملاقات سے پوری کرتا۔ آہستہ آہستہ یہ سلسلہ بند ہو گیا پھر غم روزگار کے چکر میں میں نے بہار شریف کو الوداع کہدیا۔ یہ محفل، یہ احباب، میرے لیے افسانہ ہو گئے، ذہن نے ایک قصۂ پارینہ سمجھ کر بھلا دیا۔ ہاتھوں نے قلم کی جگہ ٹی وی کا ریموٹ پکڑ لیا۔ کتابوں کی جگہ

اسکرین پر زندہ تصویریں آنے لگیں۔ بحر رجز، بحر رمل، فعلاتن فعلات، کی جگہ سود، شرح، فیصد، کا حساب رکھا جانے لگا۔ بزم میں میری شرکت شاذ و نادر ہوگئی۔ میں نے یاد ماضی کو عذاب سمجھ کر بھلا دیا۔ زندگی پرسکون تھی لیکن اچانک سمندر کے سکوت میں ہلچل سی آ گئی۔ میں حسب معمول آفس جانے کی تیاری میں مشغول تھا۔ میرے موبائل کی گھنٹی بجی دوسری سمت کوئی اشرف جہانگیر صاحب مخاطب تھے علیک سلیک کے بعد اشرف صاحب نے فرمایا مجھے مظفر صاحب نے آپ کا نمبر دیا ہے۔ وہ آپ سے ملاقات کے خواہاں ہیں۔ میں اسلام پور میں رہتا ہوں۔ یہاں کچھ ضروری کام کی غرض سے آیا تھا میں نے خیریت معلوم کی معلوم ہوا ڈاکٹر صاحب اللہ کے فضل سے بخیر ہیں۔ اشرف صاحب نے کہا میری کل روانگی ہے۔ میں نے گاڑی ریزرو کر رکھی ہے اگر آپ چاہیں تو شامل چل سکتے ہیں۔ کافی حد تک سفر کی صعوبت سے بچ جائیں گے۔ میں ایک اجنبی سے اس درجہ بے تکلف نہیں ہونا چاہتا تھا اور نہ میں اس پیشگی دعوت کو ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کو سلام پیش کیا اور محترم سے آئندہ ملاقات کے وعدے پر معاملے کو ٹال دیا۔ ہمارے جواب کا ڈاکٹر صاحب پر جو اثر ہوا ہوگا۔ اس تاثر کو میں نے دل پر محسوس کیا۔ قلب کی بےچینی میں مزید اضافہ ہوگیا۔ بہت جلد میں نے وعدے کی لاج رکھ لی۔ میں آپ کے در دولت پر حاضر تھا۔ میری یادداشت کی مطابق یہ ملاقات 2013 میں ہوئی تھی آپ کی عمر تقریباً 92 سال تھی عمر کے لحاظ سے حافظہ اور صحت دونوں کی حالت بہتر تھی۔ چہرے پر نقاہت ضرور تھی۔ میری حاضری پر محترم بہت خوش ہوئے شاید وہ تاریخ کے اس ماحول میں پہنچ گئے تھے جہاں اس شمع کے گرد سینکڑوں پروانے حلقہ بگوش داد و تحسین لٹا رہے تھے۔ مشاعرے کی محفل ایک بار پھر گرم ہوگئی۔ ترنم، تحت ہر وہ انداز جو شاعر اپنے مختلف کلام کے ساتھ اختیار کرتا ہے۔ آپ سنا رہے تھے اور میں ہر اس انداز میں شاعری سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ محفل کا اختتام بہت خوبصورت تھا۔ مجھے احساس بھی نہیں ہوا کہ یہاں مہمان نوازی کے تکلفات کا بھی خیال نہیں رکھا گیا ہے۔ میری واپسی کا وقت قریب آ گیا۔ چائے ناشتہ

سے فراغت کے بعد ڈاکٹر صاحب نے فرمایا اگر تمہیں ایسا لگتا ہے کہ میں نے ادب کی کوئی خدمت کی ہے تو میری ادبی خدمت پر چند سطر ضرور لکھنا۔ یہ مشاہیر ادب سے اظہار تاسف تھا، یا میری ذات پر بھروسہ، کہہ نہیں سکتا؟ میں نے اپنی کم علمی کا احساس دلایا لیکن جب وہ بضد ہوئے تو میں نے آپ کا کلام طلب کیا، حکم ہوا، قلمبند کرلو، میں نے وقت کی کمی کا احساس دلایا، پھر مشورہ دیا آپ اپنا کلام بذریعہ ڈاک بھیج دیں موصوف نے اس مشورے کو قبول کرلیا مگر وہ وعدہ وفا نہ کر سکے اور میں نے بھی اس کو ایک خواب سمجھ کر بھلا دیا۔ یہ چند سطور آفتاب حسن کی فرمائش پر لکھے گئے ہیں۔ یہاں علمی ادبی خدمت کا تذکرہ کم انکی شخصی زندگی پر گفتگو زیادہ کی گئی ہے۔اس کی دو وجوہات ہیں پہلی مضمون کی ترتیب کے حساب سے کلام کا حصول ممکن نہ ہوسکا۔ دوسری اہم وجہ میری علمی لیاقت آپ کی ذات وصفات کو بیان کرنے سے قاصر ہے۔ میں اپنی کم مائیگی کا قائل ہوں۔ میرا قلم ایسی ہستیوں کا ہر پہلو سے جائزہ لینے سے عاجز ہے۔ مظفر الدین دردائی صاحب نے حیات وفن دونوں اعتبار سے ایک لمبی عمر پائی آپ کا انتقال 2018 میں اسلام پور میں ہوا اور وہیں سپرد خاک ہوئے۔ایک حقیقت پھر کہانی بن گئی۔

آؤ ناصؔر ہم بھی اپنے گھر چلیں
بند اس گھر کے دریچے ہو گئے

بزم اتحاد کے قیام سے قبل ایک طبقہ بہار شریف میں انٹیلکچوئل کلاس کے نام سے مشہور تھا جس کی سرپرستی ڈاکٹر اسری ارشؔد صاحب فرما رہے تھے۔ ڈاکٹر اسری صاحب مشہور معالج سیاسی قائد، اردو اور مگھی زبان کے عمدہ شاعر تھے۔آپ نے پالی زبان سے بہت ساری چینی کہانیوں کا اردو ترجمہ کیا تھا۔آپ نے اپنی مگھی نظم میں بہادر شاہ ظفؔر کے آخری ایام کی جو دلخراش تصویر کھینچی ہے وہ بہت عمدہ ہے۔ وہ اشعار مجھے یاد نہیں مگر وہ انداز بیان وہ نقشہ ذہن میں پیوست ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی کلینک میں انجمن ترقی اردو کی ماہانہ نشستیں ہوا کرتی تھیں۔ پروفیسر نبی زاہدی، وسیم الحق، اقبال فاروقی، مطیع زاہدی، عمران

راقم، شہاب دائروی، سہیل دیسنوی، اشرف استھانوی، مسلم ہندی، انعام الحق اختر، وغیرہ صاحبان کا نام بہت احترام سے لیا جاتا تھا۔ بیشک کسی قدر یہاں ادب کی خدمت ہو رہی تھی، عوام الناس کے لئے یہ دنیا بالکل مختلف تھی۔ ہم جیسے لوگ ان شخصیات سے اسقدر مرعوب تھے کہ احتراماً ایسی مجالس میں شرکت سے اجتناب کرتے تھے۔ درمیان میں ایک ایسا سانحہ پیش آیا جس نے مسلم ہندی صاحب کو انجمن ترقی اردو سے علیحدہ کر دیا۔ اس عمل کے ردعمل میں بزم اتحاد کا قیام عمل میں آیا۔ مسلم ہندی صاحب نے ادب کے نام پر ایک علیحدہ پلیٹ فارم بنالیا۔ ۱۹۸۸ میں محلّہ بیگنہ آباد میں بزم کا پہلا مشاعرہ کافی تزک واحتشام سے ہوا۔ کافی دنوں تک اس کی کامیابی اور ناکامی پر عوام میں مختلف صورتِ رائے سے بحث ہوتی رہی یہ اس وقت اس لئے بھی کامیابی کی دلیل تھی کہ اس سے قبل علمی وادبی نشست کا احوال خوشامد پسند رؤسا، پروفیسر، شاعر وادیب کے ڈرائنگ روم سے دریافت کرنا پڑتا تھا۔ بزم نے ادب کو خواص کی جماعت سے اٹھا کر بہار شریف کے گردونواح میں پھیلا دیا۔ بہت سارے نام نہاد شاعر کو بیک فٹ پر جانا پڑا۔ مسلم ہندی صاحب کا یہ کارنامہ قابل داد ہے۔ بزم جب معرض وجود میں آئی اس وقت ہندی صاحب کے پاس اپنی علمی لیاقت جوش وولولہ کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ جتنی قابلِ قدر شخصیات تھیں وہ مخالف خیمہ کی معتقد اور دلدادہ تھیں۔ مسلم ہندی صاحب کا پہلا انتخاب آفتاب حسن تھے۔ اور یہ مسلم ہندی صاحب کی بے گناہی کے قائل بھی تھے۔ مگر آپ حزب اختلاف سے دیرینہ تعلقات اور رشتہ داری کی سبب ہندی صاحب کی نگاہ میں مشکوک تھے۔ مظفرالدین دردائی اور انعام الحق اختر صاحب یہ دو شخصیات غیر متنازعہ تھیں۔ جناب انعام الحق اختر صاحب کو بطور نائب صدر منتخب کیا گیا۔ بزم اتحاد کی صدرات کا قرعہ ڈاکٹر مظفر الدین دردائی کے نام کھلا۔ بزم کی تشکیل میں یہ لطیفہ قابل ذکر ہے۔ طنز ومزاح کے طور پر ایک شاعر کی تلاش شروع ہوئی۔ تلاش کس درجہ سنجیدہ تھی یہ تو نہیں معلوم مگر میری گردن آفتاب صاحب نے پھنسا دی۔ ایک ایسا شاعر جو شاعری کی ابجد سے واقف نہیں شاعر بن گیا۔ اس وقت سے آج تک میں ایک درست

مصرعہ نہیں کہہ سکا۔ ہر مشاعرہ میں غزل کی ابتدا سے قبل اپنی کم علمی کا اظہار فرض سمجھتا ہوں۔ بزم اتحاد کے موجودہ سووینیر میں اپنے کلام کی اشاعت یہ سوچ کر ملتوی کر دی کہ کہیں اسکی خوبصورتی میں فرق نہ آ جاے۔ آج ماشااللہ بزم اتحاد میں طنز و مزاح کہنے والوں کی اچھی خاصی تعداد ہے۔ تنگ ایوبی، تنویر ساکت، دیمک گیاوی، کو مستقل سن رہا ہوں۔ یہ بحیثیت سنجیدہ شاعر اپنی شاعری میں زیادہ سنجیدہ ہیں۔ مگر ہاں جب یہ طنز کا نشتر لگاتے ہیں تو گھنٹوں دل میں کسک باقی رہتی ہے۔ تنویر ساکت کا یہ قطعہ ملاحظہ فرمائے یہاں واہ واہ کی جگہ ہائے صد افسوس کی صدا بلند ہوگی۔ یہ قطعہ ماحول کا جو سانحہ پیش کرتا ہے اسکی تلافی ممکن نہیں۔

کیسے حالات ہوگئے مولا
سوچ کر دل یہ کانپ جاتا ہے
بیٹیاں گھر سے بھاگ جاتی ہیں
باپ کونے میں مسکراتا ہے

بزم اتحاد میں میرا داخلہ بالکل حادثاتی تھا۔ میرا ادب سے بیشک روحانی رشتہ تھا۔ لیکن اسکے تار کہاں تھے مجھے نہیں معلوم تھا۔ کبھی کبھی خواتین کا رسالہ پاکیزہ آنچل، خاتون مشرق تضیع اوقات کیلئے دیکھ لیتا تھا۔ آفتاب صاحب سے بھی میری رسمی گفتگو تھی۔ میری رسائی آپ کے ڈرائنگ روم کے سوا گھر کے ہر کونے تک تھی۔ میں نے اپنے ذہن میں ڈرائنگ روم کے لئے ایک تختی لگالی تھی جس پر لکھا تھا اندر جانا منع ہے۔ وہاں نشست و برخواست کا جو منظر تھا وہ اس وقت میرے لئے وقت کی بربادی کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ ہمارے لیے گھر کے اندر بہت سارے مشاغل تھے۔ اس محفل اور وقت کی بربادی سے ہر شخص نالاں تھا۔ میں وہاں پابندی سے لوگوں کا غم غلط کرنے پہنچ جاتا تھا۔ مجھے دو چار نشست کے بعد اندازا ہوا آپ کی اہلیہ شعر و ادب کا اچھا مذاق رکھتی ہیں۔ شخصی اور ذاتی گفتگو کب ادب کا موضوع بن جاتی تھیں احساس نہیں ہوتا تھا۔ آپ کی اہلیہ نے میرے اس ذوق کو جلا بخشا پھر اس بیعت کو خارج کرتے ہوئے مجھے آفتاب حسن کی شاگردی میں سونپ دیا۔ ہمارے پیر

طریقت کا انداز بالکل جدا ہے ذہنی اصلاح کا عمل ہمیشہ جاری رہا لیکن شعر کی اصلاح کبھی نہ ہوئی۔ شعر کی اصلاح کے لیے میری کشتیٔ ذوق ہمیشہ ہچکولے کھاتی رہی۔ میں ایک اچھا شاعر نہ بن سکا لیکن اس صحبت سے ہمیشہ ایک تحریکی عمل جاری رہا۔ میں اپنی کم علمی کے اعتراف کے باوجود ہمیشہ دل سے خواہاں رہا کہ بزم کی نادر شخصیات کو ادب کی اسکرین سے غائب نہ ہونے دوں۔ مسلم ہندیؔ صاحب کی ادبی خدمات پر میں نے مقالہ رپورٹنگ وہ ساری کوشش کی جو محترم کی صلاحیت کو زمانے میں مشتہر کر سکے۔ حالانکہ مسلم ہندی صاحب کی سیمابی کیفیت کے سبب اہل بزم اور مجھے ہمیشہ نظریاتی اختلاف رہا۔ اس اختلافات کے باعث بزم اتحاد کے قیام سے لیکر کئی ادبی انجمن، ادارے معرضِ وجود میں آئے۔ ادارہ قلم بردار، بزم اطہر، پیغام اردو کا نام قابل ذکر ہے۔ یہ انجمن، یہ ادارے آپسی اختلاف کی بنا پر وجود میں آئے تھے اور دو چار سال کی ہنگامہ آرائی کے بعد دوبارہ آپسی اختلاف کی نظر ہو گئے۔ ادارہ قلم بردار، اور پیغام اردو نے کافی حد تک بزم اتحاد کو زک پہنچایا۔ بزم اطہر کا معاملہ جلد ہی آپسی مفاہمت پر ختم ہو گیا۔ ایک اور تاریخی واقعہ کا میں چشم دید گواہ ہوں۔ مسلم ہندیؔ صاحب نے انجمن ترقی اردو سے خود کو اختلافی بنیاد پر علیحدہ کر لیا تھا۔ آہستہ آہستہ بزم اتحاد میں علمی ادبی لیاقت کے اعتبار سے محترم کا قد کافی بلند ہو چکا تھا۔ موصوف نے اپنی اس قد آور حیثیت کا جائز اور ناجائز دونوں صورت میں فائدہ اٹھایا۔ انجمن ترقی اردو کی نشستوں میں شعرا کی شرکت پر پابندی عائد کر دی گئی۔ اور یہ پابندی کافی دنوں تک برقرار رہی۔ مظفر الدین دردائی، عبد الحفیظ، انعام الحق اختر، وغیرہ صاحبان نے خود کو اس پابندی سے بالاتر سمجھ کر ایک آدھ نشست میں شرکت کی تو انہیں جوابدہ ہونا پڑا۔ بہار شریف میں انجمن ترقی اردو کا آل بہار مشاعرہ کا وہ نقشہ قارئین کو ذہن نشیں ہوگا۔ جب انجمن ترقی اردو شہ اور مات کے کھیل میں بزم اتحاد سے سیاسی بازی ہار چکی تھی۔ بزم اتحاد کی بے پناہ مقبولیت نے ادب نوازوں کو ایک نیا پلیٹ فارم مہیا کر دیا تھا۔ انجمن ترقی اردو الگ تھلگ پڑ گئی تھی۔ یہ واحد موقع تھا جس سے انجمن اپنی کھوئی ہوئی مقبولیت کو دوبارہ حاصل کر سکتی تھی۔ مشاعرے کی

کامیابی کا دارومدار بیرونی مہمان سے زیادہ مقامی شعراءاور مقامی انتظامیہ پر منحصر تھا۔اس وقت کامیابی اور ناکامی کی ساری بال بزم اتحاد کے کورٹ میں تھی۔مسلم ہندی صاحب نے ایک مشاق کھلاڑی کی طرح ہر بال کو باخوبی کھیلا۔اسوقت بزم نے تعاون کی جگہ انجمن سے مخالفت کی ٹھانی۔ یہ میری زندگی میں پہلا موقع تھا جب اردو کی ترقی وترویج کے لئے سرکاری فنڈ سے عوامی سطح پر کوئی مشاعرہ بہارشریف میں ہورہا تھا۔پروفیسر عبدالمغنی اور حامد صاحب کی بہارشریف آمد پر کارکنان بزم نے کافی مخالفت کی ادبی تحریک کو سیاست کا رنگ دیا گیا۔مقامی طور پر انجمن کے سرپرست جناب ڈاکٹر اسری ارشد صاحب تھے بہارشریف میں ڈاکٹر صاحب کی سیاسی اعتبار سے بھی ایک حیثیت تھی۔ بزم اتحاد نے یہ الزام لگایا کہ یہاں ادب کی خالص خدمت مقصود نہیں ہے ادب میں سیاسی مفاد کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ بہرحال مشاورتی میٹنگ ہوئی مشاعرے سے متعلق انجمن کے انتظام پر غور وخوص کیا گیا۔ بیرونی شعرا کی فہرست ترتیب دی گئی جگہ کا انتخاب اور ہر صورتحال کا جائزہ لیا گیا۔اس مشاورتی میٹنگ میں اور کس کس نکات پر غور کیا گیا۔میٹنگ کی پوری روداد معلوم تو نہ ہوسکی مگر یہ پتہ ضرور چلا کہ پروگرام کی کارروائی کے لئے صغری ہائی اسکول کا انتخاب کیا گیا ہے اور مشاعرے کے اخراجات کے طور پر دو لاکھ کی رقم مختص کی گئی ہے۔ پروگرام کے حوالے سے شہر میں گہما گہمی شروع ہوگئی۔ بینر، اشتہارات مکانوں اور دیواروں پر چسپاں کئے جانے لگے۔ مقامی شعرا اپنی بیاض سے منتخب کلام پر ریہرسل کرتے دکھے۔ ایک ایسی کیفیت ہر سطح پر نظر آرہی تھی جو عام طور پر کسی پروگرام میں کارکردگی کی ضمانت ہیں۔آہستہ آہستہ وقت قریب آگیا دعوت نامہ تقسیم ہوا۔مگر بدقسمتی دیکھئے اسی وقت مجلس انتظامیہ نے اعلان کیا کہ مقامی شعرا کو صرف آمد ورفت کا خرچ ملے گا۔ یہ جملہ انا پر چوٹ دینے کو کافی تھا۔ادبی حلقوں میں بیرونی اور مقامی کا موازنہ شروع ہوگیا ایک طرف انعام واکرام کی بارش دوسری طرف صرف آمد ورفت کا خرچ۔ یہ انجمن کی فاش غلطی تھی جس نے اسے بیک فٹ پر لا کھڑا کیا۔انجمن نے عوام کا بھروسہ کھودیا۔ بزم اتحاد کو ایک معقول بہانہ مل گیا۔مسلم

ہندی صاحب کے متعہدوں نے اخبارات ورسائل میں متواتر خطوط و مراسلے کی بارش شروع کر دی۔ حمایت ومخالفت میں ورق کے ورق سیاہ کئے گئے۔ اس بحث نے تنگ آمد بجنگ آمد کی صورت اختیار کر لی۔ مشاعرے کے مستقبل کا فیصلہ قبل از وقت ہو گیا۔ ایک رسم باقی رہ گئی جو مقررہ تاریخ پر ادا کر دی گئی۔ یہ پروگرام مکمل فلاپ رہا۔ آپ اس پروگرام کی ناکامی کا اندازہ اسقدر بھی لگا سکتے ہیں کہ انجمن نے کبھی دوبارہ عوامی پیمانے پر کسی مشاعرے کا انعقاد نہیں کیا۔ میں جب کبھی اس تاریخی حادثے پر غور کرتا ہوں تو مجھے جہاں انجمن کے عہدیداران کی ناتجربہ کاری شعور کی کمی کا احساس ہوتا ہے وہیں بزم اتحاد کا منافقانہ رویہ صاف نظر آتا ہے۔ اگر ہم ان تاریخی غلطیوں کو نظر انداز کر دیں تو بلاشبہ مسلم ہندی صاحب ادب اور بزم دونوں کے لئے سودمند تھے۔ جب کبھی کوئی بزم کی تاریخ مرتب کرے گا تو یہ کردار ہمیشہ حرف جلی سے لکھا جائے گا۔ بزم اتحاد کی پوری تاریخ اس کردار کے ارد گرد گھومتی ہے۔ موصوف کی ادبی خدمت اور ذہنی کیفیت کے اندازے کے لئے یہ اشعار کافی ہیں۔

آسانیوں سے پوچھ نہ منزل کا راستہ
اپنے سفر میں راہ کے موتی تلاش کر
ذرے سے کائنات کی تفسیر پوچھ لے
قطرے کی وسعتوں میں سمندر تلاش کر

فلم، افسانہ، کہانی وناول نگاری کا ایک بڑا کمال پلاٹ اور کردار کے درمیان مخاطب کو سحر انگیز مناظر میں باندھے رکھنا ہے۔ ناول کا کوئی نہ کوئی کردار مخاطب کو مسحور کن مناظر کی دلکش تصاویر کھلی آنکھوں سے خوابوں کی دنیا میں پیش کرتا رہتا ہے بزم اتحاد کے تعلق سے میری بھی کیفیت کم وبیش یہی رہتی ہے۔ اس وقت میں اسی تجربے کی دنیا سے گزر رہا تھا۔ ماضی کے کئی کردار کو میں کھلی آنکھوں سے خوابوں کی دنیا میں محسوس کر رہا تھا۔ مائل بہاری، مسلم ہندی، عبدالحفیظ حفیظ، فصیح الدین فصیح، میں اپنے دل کی کیفیت کس طرح بیان

کروں میں جب کبھی بزم کی نشست میں شریک ہوتا ہوں ۔ میں نے محسوس کیا ہے میں بظاہر جسمانی اعتبار سے وہاں حاضر رہتا ہوں مگر میرا ذہن عہد ماضی کا حصہ بن جاتا ہے۔ اس مشاعرے میں بھی میری کیفیت کچھ مختلف نہ تھی ۔نشست کی ابتدا ہو چکی تھی ۔منظوم کلام سے قبل مجھے مسلم ہندی صاحب کی ادبی خدمات پر مقالہ پیش کرنا تھا۔ ناظم مشاعرہ نے میرے نام کا اعلان کیا لیکن مجھے اس وقت تک احساس نہ ہوا کہ میں اس محفل کا ایک کردار ہوں ۔ میں اس وقت چونکا جب وہ مائیک ناظم مشاعرہ کی جگہ میرے ہاتھوں میں آ گیا۔ میں نے اس حالت میں یہ دعوت، دعوت زحمت کی طرح گوارہ کی ۔مقالہ پیش کیا گیا۔ پھر باضابطہ منظوم کلام کا دور شروع ہو گیا۔ میں اس خواب کی دنیا سے حقیقت کی دنیا میں لوٹ آیا تھا۔ یہ دنیا بھی کم خوبصورت نہیں تھی ۔اس آب گزر سے باغباں نے اس چمن کی آبیاری بھی خوب کی تھی نورونکہت سے مکلّف فصاحت و بلاغت کی کلیاں چٹک رہی تھیں ۔فضیلت علمی کے ساتھ عمدہ مضامین کی خوشبو ذہن کو معطر کر رہی تھی ۔ ہر دو چار شعر کے بعد میں ایک چونکا دینے والی صورت سے دو چار ہو رہا تھا۔ کبھی کبھی ابر باراں میں بجلی بھی کوند اٹھتی تھی ۔آصف اعظم ،آصف علی طالب، یوسف فیضی، ہر دو چار قدم پر اپنی ذہنی کاوش کی داد وصول کر رہے تھے ۔نو نیت کرشن، کمار آرین، مسکان کماری کے کلام دوزبانوں میں دوآتشہ کا رنگ لئے ہوئے خوبصورت ترنم دلکش خیال کے ساتھ قدر دانوں کو آرائش حسن کا جوبن دکھا رہے تھے ۔کہیں انا رفیق سفر تھی ۔کہیں تجربات ومشاہدات آپ کو پیچیدہ پرخطر راستوں پر چلنے کا عزم و حوصلہ بخش رہے تھے ۔امن کمار، رنجیت کمار، راکیش رتوراج، ڈاکٹر لکشمی کانت، راکیش بہاری، سبھاش چندر پاسوان اردو کی زلف گرہ گیر میں ہر پل خوبصورت پھولوں کا اضافہ کر رہے تھے ۔غزل کی تمکنت حسن و جمال انشا پردازی نے حاضرین مجلس کو ساحرانہ ماحول میں باندھ لیا تھا۔ یہ دیکھئے محفل عہد طفلی سے نکل کر عہد شباب کی طرف گامزن ہے۔ تنگ ایوبی اپنی بزلہ سنجی اور طنز و مزاح کا موتی بکھیر کر محفل کو زعفرانی رنگ دے چکے ہیں ۔ میری نظر ایک اور شخصیت کی متلاشی تھی جناب رضی الدین رضی صاحب کا رنگ ظرافت بھی

خوب تھا لیکن افسوس وہ شعر وسخن سے کنارہ کش ہوگئے۔ مجھے رضی صاحب کا ایک شعر بیساختہ یاد آرہاہے۔

مل جائے گی تجھے انوکمپا میں نوکری
ٹکرا دے تو پتا کو منسٹر کی کار سے

مشاعرے کا ایک دور کچھ یوں ختم ہوتا ہے۔ وقت کی سوئی ٹک ٹک کرتے ہوئے دیر رات کا احساس دلا رہی تھی۔ حاضرین مجلس کروٹ بدلتے ہیں مگر مجال نہیں۔ کوئی شخص محفل سے جدا ہوجائے۔ ایک رنگ آپ نے ملاحظ فرمایا اب یہ دوسرا رنگ دیکھئے۔ خوبصورت حسین، دلکش منتظم نے اپنی انتظام کاری سے حاضرین مجلس کو ہر سہولت باہم پہنچا دی ہے۔ ناشتے سے ضیافت سرور وکیف کے لئے چائے کی چسکیاں، یہاں یہ بھی احساس ملحوظ ہے کہ یہ وقت جدا نہ ہوجائے محمد دانش نے اس محفل کو مقید کرنے کیلئے اپنے کیمرے کا ریکارڈنگ موڈ آن کر دیا ہے۔ میں اس دور کا موازنہ عہد ماضی سے کرتا ہوں تو بہت فرق آچکا ہے۔ نشست کی کاروائی اور پھر روداد کی اشاعت ایک جوکھم بھرا کام تھا۔ اس الیکٹرونک میڈیا نے اس کو کافی حد تک آسان بنا دیا ہے یہ محمد دانش کا احسان وکرم ہے کہ اکثر ہم تنگ ایوبی، تنویر ساکت، بے نام گیلانی وغیرہ کے کلمات کو سوشل میڈیا پرنٹ میڈیا پر ملاحظہ فرما لیتے ہیں۔ دوسرے دور میں بھی وہی مضامین ہیں مگر زور قلم کچھ زیادہ بڑھ چکا ہے۔ الفاظ کی تراش خراش پہلے سے زیادہ عمدہ ہوچکی ہے۔ یہ حیات ومما ت، حوادثِ کائنات، جذبات واحساسات، یہ شوخیاں، تبسم، مسائل تصوف کی گتھیاں اچھوتے انداز میں سلجھائی جارہی ہیں۔ ہر چیز اپنی مکمل صورت وشکل میں پردۂ تخیل پر ابھر رہی ہے وسیم الحق اصغر نالندوی، غفران نظر، تنویر ساکت، ظفر عالم فردوسی، ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن جعفری۔ دوسرے دور کی نمائندگی کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں ابھی وسیم الحق اصغر نالندوی نے قلم کی جولانی دکھائی ہے داد وتحسین کے شور وغل سے ماحول پر کیف ومستی کا سماں بندھ گیا ہے۔ موتی سے دامن بھر کر اپنی نشست کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ وسیم الحق اصغر نالندوی کی شاعری حسنِ

بتاں، آہ وفغاں، سے آگے کے مضامین پر بھی داد وصول کرنے میں کمال رکھتی ہے۔

ابھی تو اسکا کوئی تذکرہ ہوا بھی نہیں
ابھی سے بزم میں خوشبو کا رقص جاری ہے

کچھ ہستیاں ایسی ہوتی ہیں جن کے قرب کا احساس بہار جاودانی کا مزہ دیتا ہے۔ محفل ان کی آمد کی منتظر رہتی ہے۔ ہر دل اور ہر اہل قلم ان سے مرعوب ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ان کی چمک اور تاب کے چرچے خزاں رسیدہ پھولوں میں بہار کی آمد کا احساس دلاتے ہیں تشنگان ادب کو بیقراری میں قرار آجاتا ہے۔ ان کی ادبی خدمات پر ورق کے ورق سیاہ کئے جائیں تو بھی ادبی زندگی کا احاطہ مشکل ہوجاتا ہے میرے قلم میں اتنا سلیقہ وشعور نہیں ہے کہ میں صفحہ قرطاس پر ان اعلیٰ ذات وصفات عظیم شخصیات کی خوبیوں کو حسنِ صداقت کے ساتھ پیش کرسکوں مگر پھر یہ سوچ کر قلم اٹھالیا کہ اگر ادب کے منظرنامے میں بڑی تبدیلیوں کے آثار پیدا ہوجائیں تو مجھے اپنی کوتاہیوں کا بوجھ گناہ گاروں کی صف میں کھڑا نہ کرسکے۔ بزم اتحاد نے دنیائے ادب میں جو کارِ گہر نمایاں انجام دیا ہے وہ کہیں دفن نہ ہوجائے۔ یہ خیال میرے لئے سوہانِ روح تھا کہ آج تک بزم کے تاریخی پس منظر پر کوئی بات کیوں نہیں ہوئی سبب جو بھی ہو شاید اس کی معقول وجہ میری نگاہ میں یہ بھی ہے کہ جب آپ کوئی تاریخ مرتب کرتے ہیں تو اس کے کردار سے پہلوتہی کرنا ممکن نہیں ہے اور ہر کردار کا حق ادا کرنا جوئے شیر لانا ہے۔ میں جانتا ہوں یہ نادرروزگار شخصیات کا پہلو در پہلو جائزہ لینا آسان نہیں۔ میں نے جب بزم کی گزاری پر قلم اٹھانے کا ارادہ کیا تو میرے سامنے بزم اتحاد کے شعراء میں چند نام ایسے تھے جن کے کلام کی خوبیوں نے مجھے بدرجہ اتم اس کام کے لئے متوجہ کیا تھا۔ میں ان کی ذاتی اور شخصی زندگی سے واقف نہیں تھا۔ میرا کام یہاں صرف فنکار کے فن کو ناظرین کے حوالے کرنا ہی رہ گیا تھا۔ مسلم ہندی، مظفرالدین دردائی کے ساتھ میں نے عرصہ دراز تک وقت گزارا لیکن آپ کے فن کے علاوہ آپ کی شخصی اور ذاتی زندگی سے مکمل ناواقف رہا۔ شاید یہ میری کمسنی یا حد ادب کا تقاضہ تھا میں نے مظفر

صاحب اور ہندی صاحب پر جو خامہ فرسائی کی ہے وہاں قارئین کو تشنگی کا احساس ہوا ہوگا۔ اگر کسی درجہ کوئی پہلو اجاگر بھی ہوگیا ہے تو یہ میرا کمال نہیں یہ مضمون کا تقاضہ ہے۔اس میں ایک نام بے نام گیلانی صاحب کا بھی ہے۔ میں ان کی ذات شخصیت فنکارانہ صلاحیت کسی چیز سے کسی درجہ واقف نہیں ہوں۔ایک بار دل میں خیال آیا موصوف سے ذاتی احوال کچھ کلام مطالعہ کی غرض سے مانگ لوں تو میرا کام آسان ہوجائے گا پھر میں نے یہ سوچ کر معاملے کو التواء میں ڈالدیا کہ میں آپ کو اس کی غرض وغایت کیا بتاؤں۔میرا کام اگر مقصد کی تکمیل تک نہ پہنچا تو میں شرمسار رہوں گا۔اس وقت میں محوحیرت ہوں کہ آج سے قبل میری ملاقات کبھی بے نام گیلانی صاحب سے کیوں نہ ہوئی۔ جب بزم اتحاد میں سینکڑوں شمس وقمر جگمگار ہے تھے اس ادبی کائنات کا یہ سورج افلاک کے کس پردے میں پوشیدہ تھا۔ میں جانتا ہوں جب کبھی انسان اپنی انتھک محنت کا پھل انعام واکرام کی صورت میں نہیں پاتا ہے تو اس کی مایوسی خلوت پسندی کی طرف مائل کردیتی ہے۔اس کیفیت سے کسی نہ کسی درجہ آپ بھی دوچار ہوئے ہیں۔خدا کا شکر ہے اس وقت محترم کی شخصیت ادب کے لئے ہر اعتبار سے کامیاب اور فعال ہے۔یہ نام ادب کے لئے تعارف کا محتاج نہیں ہے۔لیکن فن کے اعتبار سے آج بھی ان کے مقام کا تعین باقی ہے میری نظر میں کسی کی صلاحیت کا اعتراف کرنا صرف ادب میں کافی نہیں ہے۔ جب آپ کسی کی صلاحیت کے قائل ہوں گے تو اس کی صلاحیت کے اعتراف میں اس کی شخصیت ،فن اور مناسب مقام کے تعین پر بھی بحث ہوگی۔ناقدین کو فرصت کہاں کہ فروغ ادب کی خاطر یہ زحمت گوارہ کی جائے۔''چمن زار شعلہ''۔ یہ محترم کے شعری مجموعہ کا نام ہے۔فی الحال یہ کتاب مجھے دستیاب نہیں ہے۔ میں یہاں یہ ادبی خاکہ تنویر ساکت کی مہربانی اور بزم اتحاد کے سوونیر کی بنیاد پر تراش رہا ہوں لیکن آپ اس کتاب کی شہرت کا اندازہ مشاہیر ادب کی اس بے حسی سے لگا سکتے ہیں کہ اس پر کسی مشتاق دید نے اول یا آخر چند سطور لکھنا گوارہ نہیں کیا۔البتہ اس کتاب پر تنویر ساکت صاحب کا تبصرہ میں نے ضرور پڑھا اس تبصرے میں قلم کی جولانیاں بھی دکھائی گی

ہیں۔فنی نزاکت خامی اور خوبی پر بحث بھی ہوئی ہے۔لیکن قاری کے نظر میں تنویر ساکت کی حیثیت بھی ادب کے لحاظ سے ناقدین ادب کی فہرست میں کہیں نظر نہیں آتی اس طرح یہ تبصرہ من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ بزم اتحاد ہر صورت اپ کی ادبی صلاحیت کی قائل رہی ہے۔اس شمع کے گرد کئی پروانے گردش فرما ہیں۔نظم، نثر، صحافت، فن کوئی بھی ہو اکتساب فن کی ہر صورت یہاں موجود نظر آئے گی۔ میں نے کلام کی صورت میں آپ کے احساس وجذبات کا جائزہ لیا تو ایسا لگا۔آپ کی شاعری کا محور ماحول کی کشیدگی، مصلحت پسندی، ریاکاری، متعصّبانہ رویہ پر زیادہ گردش کرتی ہے۔

میں اک رہینِ غم ہوں پوچھو نہ کیا ہو ہے
دنیا لٹی ہوئی ہے دامن جلا ہوا ہے
ہر چیز عارضی ہے کچھ دائمی نہیں ہے
یہ دنیا کیا ہے کوئی میلہ لگا ہوا ہے

بے نامؔ گیلانی صاحب کے موضوعات وہی ہیں جو آج ہر شاعر کے موضوعات ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ انتخاب کا طریقہ زبان کا لہجہ ذرا بدلا ہوا ہے۔یہاں بے ثباتیِ عالم کا نقشہ خوب کھینچا گیا ہے۔زندگی کو دادِ عیش سمجھ کر اس فانی دنیا سے دل لگانے کا نتیجہ اس کا دائمی ردعمل کو شاعر نے اپنی ذات پر خود محسوس کیا ہے یہ دنیا عارضی ہے۔اس فریب سے دل لگانے کی صورت میں انسان دائمی عارضہ مول لے لیتا ہے۔ اس دنیا کو ایک میلے کی صورت میں تماشہ بین کی نگاہ سے دیکھئے۔تماشہ ختم سفر کی تیاری شروع۔ میں اس تصویر کا ایک دوسرا رخ بھی پیش کر رہا ہوں۔

خدا نے دی تھی جس کو ایک صورت
اسے صورت بدلتے دیکھتا ہوں
زمیں اپنی جگہ قائم نہیں ہے
اسے کروٹ بدلتے دیکھتا ہوں

یہاں ایک اندرونی کیفیت خارجی صورت بن کر ابھرتی ہے ظاہر اور باطن کا موازنہ خوبصورت انداز میں کیا گیا ہے۔ دوسرا شعر پہلے شعر کی تشریح و تمثیل ہے۔ جب یہ زمین اپنی جگہ قائم نہیں آپ اس کے مستقل مکین نہیں پھر یہ فریب کاری کیوں؟ میں نے جب بے نام صاحب کی شاعری پر توجہ کی تو مجھے ایسا لگا آپ کی غزل کا ہر متفرق شعر اپنی الگ معنویت کے باوجود دوسرے اشعار کی تشریح و تفسیر بیان کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہاں ہم ان کی فنکارانہ صلاحیتوں کو یہ کہہ کر ختم نہیں کر سکتے کہ اس کی سینکڑوں مثالیں مل جائیں گی یہ کیفیت غزل مسلسل کے زمرے میں آتی ہے۔ میں اس بحث میں اس نکتہ کا اضافہ یہ کہہ کر رہا ہوں کہ بیشک یہ کمال دوسرے شعرا میں نظر آئے گا مگر ہر شعر حسن جاذبیت معنویت کے ساتھ اپنی الگ تصویر پیش کرے ذرا مشکل ہے۔ اب اسی تصویر کی ایک تیسری مثال غور فرمائے۔ وہی مضمون ذرا سی ردوبدل کے ساتھ الگ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

خاک تھے، خاک ہیں، رہیں گے خاک
یہ حقیقت بھلا رہیں ہیں لوگ
زندگی جیسی قیمتی شئے کو
اک تماشا بنا رہے ہیں لوگ

ایسا نہیں ہے کہ یہ اندازِ تخاطب بے نام صاحب کا ایجاد کردہ ہے۔ مگر آپ نے اس طرح جذبوں اور رویوں کی ترجمانی کرکے اس روایت کی خوبصورتی کو استحکام بخشنے کی کوشش ضرور کی ہے۔ میں اس فنکار کو عظیم فنکار سمجھتا ہوں جو نوع انسان کے درد و غم کا احساس ارتقائے زندگی کا راز اپنی چشم بینا سے دیکھ کر مفلوج زندگی میں روحانی حرارت کو ارتقائی مراحل سے گزار دے اور موجودہ قیادت کو ایک پیشگو کی صورت مستقبل سے روبرو کرادے۔

جلائی جا رہی ہے جھونپڑی جن غم کے ماروں کی
دہکتے شعلے ہوں گے جب یہی بچے جوان ہوں گے

جواں ہو کر نوالے چھیننے والے یہی ہوں گے
مرے بچے جو مارے بھوک کے یوں بلبلاتے ہیں

ایک حساس شاعر بہتر سماجی نظام کا دلدادہ ہوتا ہے۔ اس جہاد نفس کے لئے سازگار ماحول پیدا کرتا ہے۔ معاشی بدحالی سیاسی تنزلی مفلوج قیادت کو پہچانتا ہے اور ان کے خاتمے کے لئے لڑتا ہے نئے مستقبل کا خواب دیکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاعری صرف نالۂ نیم شبی اور آہ سحر گاہی نہیں ہوتی۔ یہ تار نغمہ کبھی تلوار کی جھنکار بن کر ابھرتا ہے۔ کبھی یہ شبنم کو شعلوں پر مچلنے کے لئے مجبور کر دیتا ہے۔ یہ خوب تر کی خواہش انسان کو منزل کی طرف گامزن رکھتی ہے۔ ایک حقیقی شاعر زندگی کے مصائب دشواریوں سے ڈر کر اپنی آواز اٹھانے سے گریز نہیں کرتا۔ آزادی کے ترسٹھ برس، یہ موصوف کی نظم کا عنوان ہے۔ اس نظم کا ہر شعر آپ کو خود احتسابی پر مجبور کرتا نظر آئے گا۔ ہماری جشن آزادی یہاں ایک مہمل صورت اختیار کر لیتی ہے۔ وہی مذہبی منافرت، ذات پات، فتنہ فساد، دقیانوسی خیالات کا ذہنی بوجھ، پسماندہ طبقے کا استحصال، ملکی قیادت کی فریب کاری اور حریت کی ناکامی سے پیدا ہونے والے داغ دل حزیں کا اظہار اور کہیں متاع عزیز کی گمشدگی کا جان لیوا احساس، ضمیر کی خاموش سازش میں یہ اسلوب اظہار وفادار نظر آتا ہے۔

اپنی آزادی کے یہ ترسٹھ برس
ہم کو لگتے ہیں محض فالِ نحس
کیسی آزادی کہ سجھتی نہیں
اپنوں پہ حاصل نہیں ہے دسترس
گمشدہ شئے ہے روایت کا جمال
پیش ہے آلودہ سی تہذیب بس
کیسا بوجھل ہے چراغِ حریت
ہر طرف روشن ہوئی شمع ہوس

آج بھی کچھ فرقے آپس میں یہاں
آنکھ میں چبھتے ہیں مثلِ خار و خس
کوئی تبدیلی نظر آتی نہیں
آج کے حالات بھی ہیں جس کے تس

میں نے یہاں موصوف کے جتنے اشعار رقم کئے ہیں اس سے آپ نے اندازہ کرلیا ہوگا کہ بے نام صاحب کی فکری بلندی، پختگی، کہنہ مشقی کی مثال پیش کرتی ہے۔ یہ کمال کا فن برسوں کی محنت کتابوں کی عرق ریزی معاصر شعرا کی صحبت، اخلاقی تعلیمات کے رنگ کا نتیجہ ہے۔ یہاں الفاظ کے ایہام وابہام مشکل بندوشوں نادر تراکیب کا سہارا نہیں لیا گیا ہے۔ جو بات کہی گئی ہے وہ سلیس زبان میں برمحل اور برجستہ کہی گئی ہے۔ یہ حسن کا اطلاق صرف آپ کی شاعری پر ہی نہیں ہوتا ہے۔ آپ کی زندگی رعونت، غرورِ فاخرہ سے کافی حد تک پاک ہے ذاتی زندگی میں بھی یہ حسن بدرجہ اتم موجود ہے۔ بے نام صاحب سے میری ملاقات تھوڑے وقفے کے لئے ہی سہی لیکن جب کبھی ہوئی، میں نے محسوس کیا، آپ کامیاب شاعر، ادیب وصحافی ہونے کے باوجو اپنی صلاحیت کا رعب مخاطب پر نہیں ڈالتے ہیں۔ سماجی، معاشی، سیاسی مضمون کوئی بھی ہو موصوف کی دسترس سے دور نہیں بے نام گیلانی صاحب ایک کامیاب شاعر کے ساتھ اس دور کے کامیاب صحافی، ناقد اور نثر نگار بھی ہیں مضمون کا کوئی پہلو اگر شاعری میں تشنہ رہ جاتا ہے تو وہ کمی اس اصناف سے پوری ہوجاتی ہے۔ اخبار و رسائل میں شاعری کے ساتھ خوبصورت نثری تحریریں کثرت سے شائع ہوتی رہتی ہیں۔ اردو ادب کے حوالے سے یہ نعمت خداوندی کچھ لوگوں کو ہی نصیب ہے۔ جتنی خوبیاں جتنے عیوب قواعدِ اصول شاعری کرنے والوں کے لئے ہیں اتنی ہی پابندیاں نثر نگاری اور صحافت کیلئے بھی ہیں حقیقت پسندی، منظر کشی اظہارِ بیان فکر و سنجیدگی، عصری مسائل، پتہ نہیں اور اس راہ میں کتنے نشیب وفراز ہیں جہاں خاردار جھاڑیوں سے دامن الجھتا ہے اسکے باوجود اس راہ پر برسوں رواں دواں رہنا اور خود کو ثابت

قدم رکھنا یہ کمال جنون بے نام صاحب کا حصہ ہیں۔ 'نقد ونظر' یہ موصوف کی جانب سے اردو تنقید میں ایک اضافہ ہے اور طالب علموں کے لئے ایک خوبصورت تحفہ ہے۔ یہ کتاب ادیب ماہر اور ادیب کامل کے امتحانات کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہے۔ اس کتاب میں حالی، شبلی محمد حسین آزاد وغیرہ کی تنقیدات کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص زبان وادب کا طالب علم ہے تو اس اعتبار سے یہ کتاب اور قیمتی ہو جاتی ہے کہ ایک طالب علم کے لئے تنقیدی شعور کا بلند ہونا نہایت ضروری ہے ورنہ وہ تنقیدی شعور کے بغیر نہ تو فن اور نہ فنکار کے مقام کا تعین کرسکتا ہے اور نہ ہی ادب میں روز نئی فکر اور نظریات میں رونما ہونے والی تبدیلیوں و اضافے کو سمجھ سکتا ہے۔ یہاں اس کام کے لئے بے نام صاحب قابل تحسین و آفرین ہیں وہ ایک ناقد کی حیثیت سے بھی ہماری توجہ اپنی طرف مبذول کرا رہے ہیں۔ 'نقد ونظر' کے بعد جلد ہی 'چمن زار شعلہ' کی اشاعت اس بات کا بعینہ ثبوت ہے کہ آپ کا تخلیقی ذہن ادب کے اعتبار سے کتنا زرخیز ہے۔ آپ ان کی بے پناہ تخلیقی صلاحیت کا اعتراف ذہنی کاوش کی داد ہر دو چار اشعار کے بعد دینے کیلئے مجبور ہو جائیں گے۔ یہ میری خام خیالی نہیں ہے۔ یہ استادانہ پختہ کاری اور فکر ونظر کا کمال ہے۔ آپ کی شاعری کے موضوعات خواب وخیال کی دنیا سے زیادہ حقیقت کی دنیا سے آشنا ہیں۔ یہاں میں نے موصوف کے عشقیہ اشعار کا حصہ جان بوجھ کر حذف کر دیا ہے یہ اشعار مضمون کو زیادہ طویل کریں گے پھر نہ یہ آپ کی شاعری کا عنوان ہیں اور نہ ہی آپ کی شخصیت میں اضافہ کا سبب ہیں۔ دوسرے شعراء کے مقابلے یہاں عشق پروان نہیں چڑھتا۔ محبوب کے ناز ونخرے حسن وادا رومان پروری کی گنجائش کم نظر آتی ہے۔ یہاں شاعر حقیقی دنیا کا مطالعہ کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ شاعر کا کردار ایک رومان پرور عاشق کی جگہ مذہبی پیشوا، سیاسی قائد کی شکل میں زیادہ ابھرتا ہوا نظر آتا ہے۔

ہرگز کبھی معمار مقدر نہیں ہوئے
جو بھی حصارِ ذات سے باہر نہیں ہوئے

سامانِ سفر ہے کہ نہیں ہوش تو کر لو
بے نام قدم مائل افلاک بہت ہے
نادان و خود فریب ہی رکھے گا دوستو
کوئی لگاؤ عالمِ ناپائیدار سے
تمناؤں کا لاشہ ڈھو رہا ہے
پریشاں آدمی خود ہو رہا ہے
وقت کیوں دشمنی میں ضائع ہو
چند ہی روز کے تو مہماں ہیں

یہاں آپ نے غور کیا ہوگا یہ متفرق اشعار مختلف موضوعات سے اٹھائے گئے ہیں۔ ہر شعر کے پیشِ نظر ایک ہی مقصد ہے۔ اور وہ مقصد انسان کی کردار سازی ہے۔ نہایت ہی آسان فہم مگر جذبات کی زبان سے کہے گئے یہ اشعار سیدھے دل میں اترتے ہیں۔ یہاں یاس، مجبوری و ناکامی کا علاج لعن طعن، طنز وتضحیک کے نشتر سے نہیں کیا جاتا بلکہ اس زخم کا مداوا حسنِ زبان، لطفِ بیان سے کیا گیا ہے۔ یہاں وجہۂ بربادی اور اس تدبیرِ آزادی کا حل موجود ہے ہمارے معاشرے میں جراحی کے لئے جو نشتر استعمال کیا جاتا ہے وہ اسقدر کند ہو چکا ہے کہ اس کی جراحت سے ایک نیا زخم دل پر ابھرتا ہے۔ شاعری ہو یا واعظ کا ممبر دونوں جگہ یہ غلطیاں بار بار دہرائی جارہی ہیں۔ عوام کو مخاطب کرنے کے لئے مزاج وآہنگ کو بدلنا ہوگا۔ یہاں جارحانہ الفاظ کی جگہ خوبصورت ولطیف جملے کا استعمال زیادہ موزوں ہوگا آپ کردار میں کیڑے نکالنا چھوڑ دیں، آپ کا لہجہ جارحانہ نہیں ناصحانہ ہونا چاہیے جہاں زبان کی تپش میں بھی لطیف حرارت کی خنکی موجود ہو، تاکہ آپ کی بات ذہن ودل میں اتر جائے اور فکر و ہیت کے اعتبار سے مخاطب اپنے آپ کو ذلیل و رسوا نہیں بلکہ اس کے بالمقابل خود کو توانا سرفراز برسرِ پیکار محسوس کرے۔ مندرجہ بالا اشعار کسی حد تک میرے اس خیالات کے ترجمان ہیں۔

نکلو خود اپنی ذات سے آگے
ڈھونڈو کچھ کائنات سے آگے
چھوڑو مایوسیوں کا دامن اب
دن بلاتا ہے رات سے آگے

جب ہم ان الام وافکار، حزن وملال اوران اجزائے متفرقہ پرغور کرتے ہیں جو ابھی اشعار کی صورت ہمارے سامنے موجود ہیں اوراس کی تشریح وتفسیر اس تمام بحث کی غرض وغایت ہے تو آپ کو ہر قدم پر یہ احساس ہوا ہوگا کہ حزیمت، مایوسی جبر واستبداد کی تصویر کشی ان معاصرین شعرا کی طرح نہیں کی گئی ہے۔ جہاں حزن وملال کی صورت میں کامیابی کے ہر دروازے جبر واستبداد کے بل پر بند کر دئے جاتے ہیں۔ پھر شاعر اپنی کیفیت کو بیان کرنے کے لئے دوسرے دروازے کی طرف رجوع کرتا ہے اور وہاں سے کوئی پیغام عمل جاری کرتا ہے۔ بے نآم صاحب کی شاعری میں یہ کیفیت مختلف ہے۔ یہاں مستقبل کا خوش آئند تصور بھی ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ یہ نعمت خداوندی اردوادب کو لایزال نفع پہنچا رہی ہے۔ درج بالا اشعار کو اگر آپ نے غور فرمایا ہوگا تو دیکھا ہوگا کہ ایک ناصح کی حیثیت سے بھی ان کی گفتگو کامیاب وکامرانی کی عکاسی کرتی ہے۔ یہی سیاسی قیادت جب ایک ناصح کا روپ اختیار کرتی ہے تو لہجے کا اندازِ بیان ذرا جدا ہو جاتا ہے۔ مگر مستقبل کی تصویر دھندلی نہیں ہوتی ایک للکار اس کرتے ہوئے وجود کو قدم درقدم سنبھالتی ہوئی منزل کا نشان دیتی ہوئی نظر آتی ہے۔ میں نے بے نآم صاحب کو جس انداز سے سمجھا ہے وہ تصویر میں نے پیش کر دی ہے میرے نظریات سے اختلاف کی گنجائش تو ہو سکتی ہے لیکن فن کے اعتبار سے ایک کامیاب فنکار کی حیثیت سے ان کی گوں نا گوں صلاحیتوں کا انکار کسی طرح نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس مضمون کو میں اپنے اس شعر پر ختم کرتا ہوں۔

دشت جنوں کا ایک مسافر سفر میں ہے
منزل کو ہے تلاش کوئی رہگزر میں ہے

بزم اتحاد ایک تاریخ کا نام ہے اور تاریخ ماضی کے تہذیب وتمدن کی وضاحت و صراحت کو پیش کرتی ہے۔ میں جانتا ہوں کل کا مورخ جب ادب کی تاریخ لکھے گا تو ایک شاندار گوشہ بزمِ اتحاد کا بھی ہوگا اور چند نام بہت ادب واحترام سے لئے جائیں گے۔ اس فہرست میں ایک نام جناب یعقوب اطہر ہلسوی کا بھی قابلِ ذکر ہوگا۔ آپ صرف شاعر ہی نہیں آبروئے نالندہ بھی ہیں۔ جہاں فن کے قیمتی موتی آپ کی جوہر شناسی کی منتظر ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم اپنی چاکدامنی کی وجہ سے ان قیمتی موتیوں کو اپنے دامن میں سمیٹ نہ سکیں۔ جس نے بھی آپ سے اکتسابِ فن کیا وہ فن کی ان ٹیڑھی میڑھی سیڑھیوں کو درجہ بدرجہ عبور کرتا گیا۔ باشعور تو ہر شاعر ہوتا ہے لیکن کچھ شاعر شعور سے کام لیتے ہیں۔ فلسفیانہ، صوفیانہ، عاشقانہ، روایتی، تجرباتی عروسِ سخن کے کئی رنگ ہیں اور ان میں اپنا ایک منفرد رنگ قائم کرنا باشعور ہونے کی علامت ہے۔ خارجی فطری مختلف کیفیات جذبات اور مشاہدات کو اپنے دامن میں سمیٹنا ان مرکبات سے پیکر تراشی کرنا یہ متاعِ ہنر یعقوب اطہر ہلسوی صاحب کے تخلیقی رویہ کا مظہر ہے۔ ابھی کچھ دن قبل موصوف کا چوتھا مجموعہ کلام 'کشت خیال' ہماری نظروں سے گزرا۔ میری ایک بڑی کمزوری ہے کہ میں سنجیدگی کے ساتھ کسی بھی کتاب کا مطالعہ نہیں کرتا۔ ریڈیمیڈ معلومات سے کام چلانے کا قائل ہوں۔ بعض اوقات اپنی اس حرکت کے نتیجے میں شرمندہ بھی ہوا ہوں۔ پتا نہیں کیوں اس دفعہ میری کیفیت مختلف تھی۔ میں نے ''کشت خیال'' کو سرورق سے لیکر آخری صفحے تک پڑھا۔ چند نظموں کے ساتھ غزل کی تعداد کم وبیش ساٹھ ستر کے قریب بنتی ہے۔ ابتدائی گوشے میں تعارفی خاکہ ہے ورق انتساب والد بزرگوار، ازواج، اہل وعیال، کے اسمائے گرامی سے منسوب ہے اپنی بات کے عنوان سے شاعر نے ادب سے محبت اور اس سے قبل کے تین شعری مجموعۂ کلام شمع خیال، طور خیال، دل ونگاہ کا تذکرہ کیا ہے ایک ورق پر انعامات ونوازشات کے عنوان سے انعامات وتوصیفی اسناد کی فہرست ہے۔ بزم فروغ ادب نالندہ کی جانب سے تحفہ وگلپوشی 'دہلی اردو اکیڈمی' سے شائع کی گئی ''ہندوستان کے ادبا وشعرا کی فہرست'' میں

تفصیلی تعارفی خاکہ اور کئی ادبی تنظیم کی جانب سے انعامات ونوازشات کا تذکرہ پڑھنے کو ملتا ہے حالانکہ محترم کا قد ان انعام واکرام سے کہیں بلند ہے''کشت خیال'' میں بقول شاعر زیادہ تر غزلیں صوفیانہ رنگ کے قالب میں ڈھلی ہیں۔لیکن یہ مغالطہ مطالعہ کے بعد غلط ثابت ہوجاتا ہے کہ شاعر صرف تصوف ومعرفت کا ترجمان ہے۔شاعر کی ایک وسیع دنیا ہے جہاں مختلف رنگ میں داخلی جذبات واحساسات کی عکاسی بھی ہوتی ہے۔ یہ طہارتِ روحانی ہر مضمون کو اپنے سانچے میں ڈھالنے پر قدرت رکھتی ہے۔میں اس خیال کی تائید میں محترم بے نام گیلانی صاحب کا پورا مضمون نقل کرسکتا ہوں۔جناب گیلانی صاحب نے میرے خیال کو تقویت دیتے ہوئے اس بات سے بغاوت کی ہے کہ کسی بھی شاعر کو ایک نظریہ یا خانے میں مقید کرنا درست نہیں ہے آپ نے اس مدلل بحث میں رابندر ناتھ ٹیگور اور علامہ اقبال کی مثال پیش کی ہے،ہم نے کس طرح اقبال کو ایک خانے میں سمیٹ کران کی آفاقی نظرئے کو محدود کردیا اور دوسری جانب رابندر ناتھ ٹیگور کو اہل بنگال نے خالص آفاقی شاعر کی حیثیت سے پیش کر کے نوبل انعام دلوادیا۔ بے نام گیلانی صاحب اطہر بلسوی صاحب کو ایک نظریہ یا خانے میں مقید نہیں کرتے ایک آفاقی شاعر کے طور پر پیش کرتے ہیں۔آپ ان کی کہنہ مشقی استادانہ صلاحیت کے حد درجہ قائل ہیں ویسے بھی ترقی پسندی کے دور میں ناقدینِ ادب نے روایت پسند شعراء کو یک قلم مسترد کردیا تھا۔روایتی شاعری اور یہ ترقی پسندی کی دوڑ یہ سب ذہنی آزمائش کے سوا کچھ بھی نہیں ہے ہاں اس کوکھ سے ایک نئی تحریک جدید شاعری کے عنوان سے ضرور پیدا ہوئی۔روایتی شاعری نے ایک نئے پیراہن کو جدید شاعری کے لباس میں زیب تن کیا۔ رموز شعر میں ان تجربات و محسوسات کو دیکھا جاسکتا ہے۔

شاعری ایک غیر نامیاتی حقیقت ہے جو بڑھتی رہتی ہے اور بہتر سے بہترین ہوتی رہتی ہے۔ادب انسان کے بہترین خیالات اور جذبات کا نام ہے اور انسان اپنے جذبات کو کسی حد،فن،ازم کے حصار میں مقید کرلیتا ہے تو فن کا تعین مشکل ہوجاتا ہے۔متقدمین

حضرات نے ان حد سے خود کو بالاتر رکھا۔ آپ جس دن اپنی شناخت آپ بنالیں گے وہ دن آپ کی کامیابی کا ہوگا۔ ورق کو سیاہ کرنا شاعری نہیں ہوتی۔ ادب کی عظمت کو صرف ادبی معیاروں سے جانچا نہیں جاسکتا ہے اگر شاعر اپنے مزاجی تقاضوں کو نظر انداز کردے تو شاعری کی جمالیاتی حس فنا ہو جاتی ہے۔ میں نے یہ تمہیدی جملے اس لئے لکھے ہیں کہ فنکار کو ہمیشہ فن کے علاوہ اسکے مزاج و آہنگ پر پرکھنا چاہئے۔ وہ شاعر جو اپنی ذات کو آفاقی رنگ نہ دے سکے وہ ایک کامیاب شاعر ہو نہیں سکتا ہے۔

جب زباں ہی کو نہ اظہار کی جرات ہوگی
کس کو معلوم مرے دل کی حکایت ہوگی
سوچتا ہوں کہ میں لب کھولوں جسارت تو کروں
پھر گماں ہوتا ہے توہینِ محبت ہوگی

ہر کامیاب شعر تین سطح سے ہو کر گزرتا ہے وہ ایک ساتھ شاعر کی ذات کا اظہار، عصری شعور کی آواز، سماجی تصویر کا عکاس ہوتا ہے۔ سماجی ثقافتی واقعات اور حادثات نے آپ کی شاعری کو متاثر کیا ہے۔ تفہیم شعر میں اس کے لطف و کیف کا احاطہ مجھ جیسے عاجز کے لئے ناممکن ہے۔ میں اپنے شعور و فہم سے جو تشریحات اور تعبیرات پیش کروں گا وہ ایک نئے لطف سے سرشار تو کر سکتی ہے مگر ہر شعر کی گرہ کشائی کرنا ناممکن ہے۔ آپ کی فنکارانہ صلاحیتوں میں کافی گنجائش ہے اور اتنی گنجائش ہے کہ ایک معتبر ناقد ہر کلام کی نئی تعبیرات پیش کرسکتا ہے۔

کچھ راکھ بچ گئی تھی اسی کو کرید کر
اب پوچھتا ہوں دل سے کہ ہے اپنا گھر کہاں
جہاں سے لوٹ کے تم آگئے ہو صد افسوس
تمہیں وہیں تو اندھیرے میں جگمگانا تھا

یہ اشعار دو الگ الگ کیفیات کے ترجمان ہیں۔ اور دونوں کیفیت شاعر کی

ذاتیات سے ہوتی ہوئی آفاقی ترسیلِ اظہار کا دلکش نمونہ بن جاتی ہے۔ میں اکثر سوچتا ہوں ہر شاعر کا ایک شعر دوسرے شعر سے متضاد ہونے کے باوجود شاعر کی شخصیت کو مجروح کیوں نہیں کرتا۔ شاعر اپنے سماج کی قیادت کس طرح کرتا ہے۔ مختلف کردار کو اپنی ذات سے گزارنا ان کے درد، احساسات کو محسوس کرنا اس درد کو مختلف انداز میں پیش کرنا اس مراحل سے جب آپ گزریں گے تو ایک تصوراتی دنیا سے شاعر کو اپنے مخاطب سے ہمکلام ہوتا ہوا پائیں گے۔ بعض دفعہ حقیقی دنیا میں جس دردِ دل کو الفاظ میں بیان کرنا محال ہوتا ہے۔ وہاں شاعر اپنے مکمل اور موزوں بیان سے مخاطب کو حیران کر دیتا ہے۔ الفاظ کی بندش، تشبیہات، تشریحات، ہماری لامحدود دنیا میں سوز و گداز، درس عمل، غور فکر کی عادت کو ایک نئی تحقیق سے مربوط کر کے اپنے خیالات کو صاف صاف بیان کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک سیاسی قائد کے بالمقابل شاعر اپنی قوم کی بہتر قیادت کر سکتا ہے۔ مگر عملی اعتبار سے اردو شاعری میں سیاسی قیادت کا فقدان ہے۔ عام طور پر شاعر اپنی رومان پرور دنیا سے باہر نکلتا ہی نہیں اور کبھی نکلتا بھی ہے تو سیاسی قیادت کے ناعاقبت اندیش رفیق ہر قدم ناتجربہ کاری کے سبب ٹھوکر لگاتے رہتے ہیں۔ خیر یہ جملہ معترضہ الگ بحث کا دروازہ کھولتا ہے۔ میں شاعری کو ایک ایٹمی کیمیائی مادے کے طور پر بھی دیکھتا ہوں۔ جہاں الفاظ عام بول چال کی زبان سے نکل کر جب ضبطِ تحریر میں آتے ہیں تو ہر جبر واستبداد، ظلم وتشدد، فرمانِ فرعونیت کو ایک ایٹم بم کی طرح تہہ و بالا کر دیتے ہیں۔ میں اپنے خیال کی تائید میں ''کشت خیال'' سے چند اشعار نقل کر رہا ہوں۔

رکنے کو اگر ہاتھ ستمگر کے نہیں ہیں
یہ دل بھی ہمارے کوئی پتھر کے نہیں ہیں
دیوار کی ہر اینٹ پر ہے نام ہمارا
ہم لوگ اسی گھر کے ہیں باہر کے نہیں ہیں

تمہاری چال سے صیاد طائر ہو گئے واقف
وہیں پر دام ہوتا ہے جہاں پر دانے ملتے ہیں
مرے دل کو وحشت ہو رہی ہے دیکھ کر ہر سو
میں گلشن ڈھونڈھتا پھرتا ہوں آتش خانے ملتے ہیں

میں نے جو متفرق اشعار نقل کئے ہیں۔ وہ یہ ثابت کرنے کو کافی ہیں کہ شاعر کسی ازم کا قائل نہیں ہے۔ یہاں وحشتِ دل، احساسِ خودی، غمِ دوراں پر جولب کشائی کی گئی ہے۔ یہ ذہنی تفکرات سے آزاد ہے۔ یہ معاشرے کی مکروہ تصویر ہے جس سے اقتصادی، سماجی پس منظر میں ایک عالمی منظر نامہ ابھرتا ہے۔ شاعر اس عالمی منظر نامے پر اپنا خیالی پیکر تراشتا ہے اور یہ اس منظر نامے پر اپنی تصویر رکھنے میں کامیاب ہے یہ کوشش فلسفیانہ شاعری کی سطح سے حد درجہ بلند ہے۔ یہاں فکر سے زیادہ وجدانی کیفیت نمایاں نظر آتی ہے۔ میں نے اطہر ہلسوی کو ابھی جس حد تک پڑھا ہے۔ میں نے پایا اپنا ایک مخصوص رنگ رکھتے ہوئے بھی ہر رنگ میں ایک کامیاب شاعر ہیں۔ اس نقطۂ نظر کی بنیاد پر انہیں محض تصوف و معرفت کا شاعر نہیں کہا جا سکتا۔ یہ الگ بات ہے کہ اطہر ہلسوی صاحب جب اپنے مخصوص رنگ میں گویا ہوتے ہیں تو فرسودہ سے فرسودہ مضمون سے بھی آپ کا قلم ایک خوبصورت پیکر تراش لیتا ہے یہاں حزن و ملال، عشقِ نامراد کے ساتھ ایک الگ تخلیقی کائنات وجود میں آتی ہے جو انسان اور زندگی کا مقصد، انسانیت کی بقاء تلازمِ حیات کے نکتۂ ارتکاز پر بحث کرتی ہے۔ کلیوں کا چٹکنا، پھولوں کی شگفتگی کے مضمون کے ساتھ بعض مضامین نے مجھے حیرت میں ڈال دیا۔ پتا نہیں محترم کو یہ مغالطہ کیوں ہے کہ میں فطری طور پر صوفیانہ رنگ کی شاعری بہتر کہتا ہوں کیا یہ اشعار ان کے خیال کو غلط ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہیں۔

دل میں لاکھوں غم ہے لیکن شادماں بن کے رہو
اہل غم کے واسطے اطہر کا یہ پیغام ہے

خود کو مٹا کے عشق میں ملتی ہے زندگی
اس راہ میں تکلفِ سود و زیاں نہیں
ہو یقیں محکم تو پھر خونِ جگر سے سینچ کر
ہم بنا دیں رشکِ گلشن دشت کو کوہسار کو
ہر اک پردۂ غم میں نہاں خوشی ہوگی
ہوئی ہے رات تو تخلیق صبح بھی ہوگی

بزم اتحاد سے میرا ایک روحانی رشتہ ہے اور یہ رشتہ بہت حد تک جنونی کیفیت تک ہے۔ میرے دل میں ہمیشہ یہ خواہش رہی میں اس درخت کی ٹہنی بن جاؤں جو وقت کے ساتھ سبز وشاداب رہتی ہے اور وہی ٹہنی سبز وشاداب رہتی ہے جو درخت اپنے وجود کو مرنے نہیں دیتا اور وہ درخت سبز وشاداب رہتا ہے جس کی آبیاری میں باغباں نے پوری توجہ فرمائی ہو۔ میرا معیار اس درجہ سطحی تھا کہ یہ پھول نہ کس محفل کی زینت بن سکا اور نہ اپنا وجود اس چمن میں خس وخاشاک کی صورت ہی برقرار رکھ سکا لیکن میرے علاوہ کئی پھول اس گلشن میں پوری آب وتاب سے اپنی لطافت کی داد پا رہے ہیں۔ اس بزم کی چمن بندی میں کئی خوبصورت پھولوں کا اضافہ ان کاشت زاروں کے سبب ہے۔ اطؔہر ہلسوی کو بزم اتحاد میں استاد شاعر کی مقبولیت حاصل ہے۔ بیشک میں مظؔفر دردائی، مسلم ہندؔی صاحب کی صحبت سے میں جس قدر مستفیض ہوا ہوں وہ موقع یہاں مجھے حاصل نہ ہو سکا مگر جس نے بھی ان سے استفادہ فن کیا وہ آج بطور فنکار کامیاب ہے۔ ان کی فنکارانہ صلاحیتوں کے ساتھ ان کی استادانہ قیادت پر بات ہو سکتی ہے لیکن یہ مضمون طوالت اختیار کر جائے گا۔ فی الحال میری بحث کا عنوان اطؔہر ہلسوی کی ذات وصفات ہے۔ آپ باغور اگر ''کشت خیال'' کا جائزہ لیں گے تو کلام کے ساتھ کردار، اوصاف، شخصیت کی بھی جھلک نظر آئے گی۔ آپ نے اپنی اس کتاب کو کسی ایک نام سے منسوب نہیں کیا ہے۔ والد، والدہ، برادران، پسران، دختران تمام لوگوں کو درجہ بدرجہ نام اور عزت بخشی ہے۔ اطہر ہلسوی صاحب ایک فرمانبردار

بیٹا، کامیاب باپ، ہر دلعزیز بھائی اور ساتھ ہی ایک ذمہ دار انسان ہیں۔ یہ بہت ہی سادگی اور سنجیدگی کے ساتھ زندگی کی مثبت قدروں کی تلاش میں کوشاں رہے ہیں۔ بزم اتحاد کے گوشۂ چمن کو سجانے سنوارنے میں موصوف کا ہمیشہ مثبت رول رہا ہے۔ ان کی عظمت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ایک استاد کی حیثیت سے زبان کو پرکھنے، برتنے، تشبیہ واستعارات سے نا آموز شعراء کو واقف کرانے کا فن خوب آتا ہے۔ اطہر صاحب نے شاگردوں کے لئے جو نقش قدم قائم کیا ہے۔ یہ نقوش انشا اللہ ان کی شعری روایت کو بہت حد تک قائم رکھیں گے۔

کہانی یہاں ختم نہیں ہوتی یہاں کئی کردار تھے۔ ہر تصویر دیدہ زیب تھی۔ میں اس پرفریب منظر میں گم ہو جانا چاہتا تھا لیکن کیا کروں رات کافی بھیگ چکی تھی۔ ہم مشاعرے کے آخری دور میں داخل ہو چکے تھے۔ شعراء اور حاضرین کے موبائل کی گھنٹی متواتر بج رہی تھی یقیناً اہل خانہ اس دیر رات کی تاخیر سے اکتا چکے ہوں گے۔ صدر مشاعرہ نے ایک سے زیادہ کلام پڑھنے کی گنجائش پر پہلے ہی پابندی لگا رکھی تھی مزید فرمائشی کلام پر بھی پابندی لگا دی گئی۔ بے نام گیلانی، آفتاب حسن شمسؔ، امتیاز احمد ماہرؔ، صدر مشاعرہ یعقوب اطہرؔ ہلسوی وغیرہ صاحبان نے اپنا کلام پیش کیا۔ پھر ناظم مشاعرہ نے صدر مشاعرہ کی اجازت سے تنویر سا کت اور ان کی انتظامیہ کے بہترین انتظامات کا شکریہ ادا کرتے ہوئے محفل کے اختتام کا اعلان کیا۔ میں نے اس محفل میں خود سے کچھ عہد و پیمان کیا۔ میں جانتا تھا کہ یہ میری استطاعت میں نہیں ہے لیکن میرا جنون مجھے ایک نئے سفر کی طرف چلنے کے لئے مجبور کر رہا تھا میری ہر نفی کا جواب یہاں کوشش اور صرف کوشش تھی آخر مجھے اعجاز رحمانی کے اس شعر سے قائل ہونا ہی پڑا۔

ابھی سے پاؤں کے چھالے نہ دیکھو
ابھی یارو سفر کی ابتدا ہے

☆☆☆

حرفِ سادہ تو نہیں ہوں کہ بھلایا جاؤں

بزمِ اتحاد نالندہ کے چند شعراء

ڈاکٹر مظفرالدین دردائی

آپ کی حیثیت اردو ادب میں ایک خاص مقام کی متقاضی تھی۔صد افسوس آپ نے خود کو ضائع کر دیا۔کوئی مجموعہ کلام منظر عام پر نہ آ سکا۔شعر وسخن کے اعتبار سے آپ کا ابتدائی دور کامیاب نظر آتا ہے۔جذبی، مجاز، جگر کی صحبت سے آپ نے بہت کچھ استفادہ حاصل کیا تھا زبان کی چاشنی جنسی لذت، ہجر وصال کے مضامین سے اگر آپ کو لطف اندوز ہونا ہے تو مظفر دردائی صاحب کی شاعری کو ضرور پڑھیں۔حسن وعشق، ہجر و وصال کو مظفر صاحب نے جس انداز میں باندھا ہے وہ ملکہ بہت کم شعراء کو نصیب ہے۔ایک ہی مضمون کو آپ کئی کئی انداز سے باندھنے میں قدرت رکھتے تھے۔حمد ونعت، نظم ورباعی قطعات ودیگر اصناف پر بھی دسترس حاصل تھی لیکن عشقیہ اور انقلابی شاعری آپ کا پسندیدہ موضوع تھا۔ آپ زود گو شاعر تھے۔پوری پوری غزل فی البدیہہ کہہ دیا کرتے تھے پروفیسر معین الدین دردائی جو اُردو ادب میں برصغیر کی بہت بلند شخصیت تھی آپ کے بڑے بھائی تھے۔پروفیسر معین الدین دردائی نے اپنے تحقیقی اور معلوماتی کاموں سے ادب میں کئی کتابوں کا اضافہ کیا تھا۔میں نے اس کتاب میں اس کا ذکر اندرونی صفحات پر کیا ہے

مظفرالدین دردائی کی تاریخ پیدائش 22 فروری 1922 کو سرتھوا ضلع نالندہ کی

ہے۔آپ کے والد حکیم سید سراج الدین صاحب سرتھوا کے خاندانی رئیس اور زمیندار تھے۔ مظفر دردائی کی اسکولی تعلیم جامعہ ملیہ اسلامیہ سے ہوئی ہے اور بعد میں مظفر صاحب نے انٹرمیڈیٹ کی ڈگری پٹنہ یونیورسٹی سے حاصل کی تھی۔آپ کو بزمِ اتحاد کے بانی اور صدرِ اوّل ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔آپ کا شمار مسلم ہندی صاحب رفقاء میں ہوتا ہے۔مظفر صاحب کا انتقال 2018 میں اسلام پور میں ہوا اور وہیں سپرد ِخاک ہوئے۔

☆☆☆

مشورے

عیش میں عمر جو گزری ہے تو کیا بات ہوئی
حوصلہ ہے تو ذرا رنج و محن سے کھیلو
اپنی کرسی کے لئے اپنے خزانوں کے لئے
تم خدایا نہ یوں ناموسِ وطن سے کھیلو
رنج و غم کے ہی کھلونے جو ملیں ہیں تجھ کو
کھیلنا ہی ہے تو اس کو ہی جتن سے کھیلو
جبہ دستار کو حجروں میں چھپے رہنے دو
تم تو دیوانے ہو تم دار و رسن سے کھیلو
کانٹے چبھتے ہیں تو چبھ جائیں مگر یاد رہے
بھول کر بھی نہ تم آئینِ وطن سے کھیلو
دجلہ و نیل کی اب یاد مظفؔر کیوں ہے
ہند میں رہتے ہو تم گنگ و جمن سے کھیلو

☆☆☆

بندیا

صبح جبیں پر روشن ہے ایک مہر پارہ
برگِ گلاب پر ہے رکھا ہوا شرارہ

ہیرے کی طشتری میں یاقوت رکھ دیا ہے
سونے کی تھال پر اک جلتا ہوا دیا ہے

ایک شمع جل رہی ہے مژگاں کی انجمن میں
یا مسکرا رہی ہے کوئی کلی چمن میں

تیغوں کے درمیاں اک رکھی ہوئی سپر ہے
یا صاف آسماں پر نکلا ہوا قمر ہے

عاشق نے اپنے خوں سے عہدِ وفا کیا ہے
قرباں گہہ وفا پر دل اپنا رکھ دیا ہے

☆☆☆

کہے دیتا ہوں

ہاں مجھے تم سے محبت ہے کہے دیتا ہوں
زندگی ایک مصیبت ہے کہے دیتا ہوں

زلف ہے ساون کی گھٹا، چہرہ ہے مہتاب ترا
تجھ پر اللہ کی رحمت ہے کہے دیتا ہوں

مری آنکھوں سے اگر دیکھ لو اپنی صورت
خود کہو واہ کیا صورت ہے کہے دیتا ہوں

پیکرِ خاکی کو رشک مہ و خورشید ہے کیا
کیسی اللہ کی قدرت ہے کہے دیتا ہوں

تیرے ہونٹوں کی ہنسی اور ترے گالوں کے گلاب
عاشقوں کے لئے جنت ہے کہے دیتا ہوں

زندگی اب مری بے کیف ہوئی جاتی ہے
نجمہؔ اب تیری ضرورت ہے کہے دیتا ہوں

☆☆☆

قصور کس کا ہے

مچا ہے ہر جگہ ماتم قصور کس کا ہے
لہو لہان ہے عالم قصور کس کا ہے
رہِ وفا پہ جو ثابت قدم نہیں ہیں لوگ
تمہارے وعدے ہیں مبہم قصور کس کا ہے
یہ فصل گل ہی خزاں کو لئے ہے دامن میں
نظامِ دہر ہے برہم قصور کس کا ہے
شگفتہ چہرے ہیں سب کے تو یہ نہیں بھولو
نہاں ہیں سینے میں سو غم قصور کس کا ہے
قناتِ وقت پہ چھینٹیں لہو کی آج بھی ہیں
پریشاں حال ہے آدم قصور کس کا ہے
گریباں چاک ہے گل اور کلی ہراساں ہے
جو چشمِ گریاں ہے شبنم قصور کس کا ہے
مظفؔر اب تو یہ عالم ہے ساری دنیا کا
سبھوں کے ہونٹوں پہ ہے دم قصور کس کا ہے

☆☆☆

مسلم ہندیؔ

مسلم ہندی ایک ایسی شخصیت کا نام ہے جن کے کردار واوصاف پر بزم کی پوری تاریخ محیط ہے۔ بزمِ اتحاد کو قائم کرنا اور مسلسل بزم کو متحرک رکھنا یہ کمال جوش وجنون کسی کا خاصہ ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ بزمِ اتحاد اردو کی واحد بزم ہے جو مسلسل 30 سال سے متواتر متحرک ہے مسلم ہندی نے بزم کی صورت میں مشقِ سخن کے لئے نو آموز شعراء کو ایک پلیٹ فارم مہیا کیا۔ طرحی اور غیر طرحی نشت سے مہمان شعراء اور اہلِ ذوق کی آبیاری کی۔ موصوف کی شاعری عالمی درجہ کی شاعری تھی آپ ہر شعر پر بیساختہ مکرر ارشاد کی صدا بلند کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ آپ نے سطحی مضامین سے ہمیشہ گریز کیا۔ نئے نئے رنگ میں شعر کہنا ہر شعر کا رنگ ایک دوسرے سے جدا رکھنا آسان نہیں ہوتا۔ نعتیہ اشعار میں بعثت نبوی کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے قابل تعریف ہے۔ یہ مضمون نعت گو شعراء کے یہاں بمشکل ملتا ہے۔ آپ کی شاعری میں معشوق کا چونچلا پن، آہ وفغاں کے قصے ندارد ہیں۔ یہاں زندگی کی حقیقی عکاسی ہوتی ہے۔

مسلم ہندی کی پیدائش 8 دسمبر 1945 کی ہے۔ آپ کا وطن بہار شریف ہے۔ بہار شریف کے مذہبی اور ادبی حلقے میں آپ قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ والد بزرگوار مولانا تصدق حسین صاحب سے آپ نے فارسی، عربی اور تجوید کی تعلیم حاصل

کی۔ پھر عصری تعلیم کے لیے اسکول و کالج کا رخ کیا یہاں سے گریجویشن تک کی تعلیم حاصل کی۔ سرکاری ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد دائرہ بہار شریف کی چمن مسجد کے امام مقرر ہوئے۔ مسلم ہندی صاحب کو نظم و نثر دونوں پر قدرت حاصل تھی۔ مختلف رسائل و جرائد میں اصلاحی اور مذہبی تخلیقات متواتر شائع ہوتی رہتی تھیں۔ آپ کا شعری مجموعہ آپ کی زندگی میں "شاخ ثمر" کے نام سے شائع ہو چکا ہے البتہ نثری کلام کی اشاعت اخبار و رسائل تک محدود رہی۔ یہ سورج 21 دسمبر 2008 کو پردہ افلاک میں غروب ہو گیا۔

☆☆☆

نعت شریف

حاصل نہیں کسی کو بھی ایماں ترے بغیر
ہوتا نہیں ہے کوئی مسلماں ترے بغیر

دانشوری ہے حربۂ شیطاں ترے بغیر
ہر فلسفہ فساد کا ساماں ترے بغیر

تیرے بغیر آدمی تنگِ وجود ہے
ممکن نہیں تحفظِ انساں ترے بغیر

تیرا اصول ضامن و خیر و فلاح ہے
روشن نہیں نجات کا امکاں ترے بغیر

تونے بتایا حکمت و اخلاص کا اصول
پائے گا کوئی خاک نہ عرفاں ترے بغیر

تیرا طریق چھوڑ کے ملت ہے منتشر
مردہ ہے آج مردِ مسلماں ترے بغیر

نخلِ امید وقت کی گرمی سے جل گیا
آباد ہو سکا نہ گلستاں ترے بغیر

ہندؔی کو ہے یقین اس کارِ جہاد میں
ہوتا نہیں ہے عشق نمایاں ترے بغیر

☆☆☆

سرسید

دیدۂ یعقوب میں وجہٗ گدائی کون تھے
کون یوسف تھا یہاں یوسف کے بھائی کون تھے
اپنی کوشش سے بچایا کس نے ملت کا وقار
جب کہ ہر ہر موڑ پر حالات تھے نا سازگار
تذکرہ جاری ہے کس کا قریہ قریہ کو بہ کو
وہ شہیدِ جستجو تھا وہ شہیدِ آبرو
آندھیوں میں کس نے شمعِ علم روشن کردیا
کس نے ناداروں کا دامن موتیوں سے بھر دیا
کس نے ثابت کردیا اپنے زمانے کا دروغ
نا مساعد وقت میں حاصل ہؤا کس کو فروغ
زندگی بھر اس کو رسوائی ملی طعنہ ملا
پھر بھی خیر و صلح کا ہر کام وہ کرتا رہا
عزم جب اس کا علی گڑھ کے لئے زندہ ہوا
ہر مخالف اس کا اپنے آپ شرمندہ ہوا
مرتبہ سب سے عظیم الشان سر سید ترا
ملک و ملت پر بڑا احسان سر سید ترا
جس قدر تاریخ کی مدت گذرتی جائے گی
اتنی ہی ہر دن تری صورت ابھرتی جائے گی

☆☆☆

O

بے ساز رہ گیا ہے ترنم ارے غضب
بے خود ہوئے تو ٹوٹ گیا خم ارے غضب
یہ مضحکہ یہ طنز و تبسم ارے غضب
مجروح کر رہے ہو مجھے تم ارے غضب
پھیلا دیا یہ کس نے تو ہم ارے غضب
ہر آدمی کی عقل ہوئی گم ارے غضب
جنت اور اس کے بعد یہاں بھی اسی کا شر
آدم تمہارے ساتھ یہ گندم ارے غضب
تھک ہار کے تو ہم نے لیا قبر میں پناہ
یہ کون کہہ رہا ہے یہاں قم ارے غضب
زاہد کا اہتمام طہارت نہ پوچھئے
غسل و وضو کے بعد تیمّم ارے غضب
ہے اب مریض ہجر اک ہچکی کا منتظر
سینے میں ہے شدید تلاطم ارے غضب
ہندؔی نے واردات کی روداد پیش کی
سنتے ہی ان کا طرزِ تکلم ارے

☆☆☆

O

دکھی ہیں لوگ تو ہم بھی دکھی ہیں
اثر کیسے نہ لیں ہم آدمی ہیں
بہت ہے تنگ مجبوروں کی دنیا
بڑی بے چینیوں میں ہم سبھی ہیں
کرو انصاف اے انصاف والو
تمہارے گھر کے ہی ہم آدمی ہیں
فضا میں زہر گھولا جا رہا ہے
مری سانسیں اکھڑتی جا رہی ہیں
کہ اب زخموں پہ مرہم کوئی رکھتا
مری نظریں کسی کو کھوجتی ہیں
غلط انداز سے وہ سوچتے ہیں
بھلی باتیں بری ان کو لگی ہیں
ہم ان کے ساتھ رہتے آرہے ہیں
مگر وہ ہیں کہ جیسے اجنبی ہیں
وہ باتیں جن سے آنچ آئے وفا پر
یہ باتیں ہم نے کس سے کب کہی ہیں
تعفن پھیلتا جاتا ہے ہندؔی
یہ لاشیں کس کی سڑکوں پر پڑی ہیں

☆☆☆

O

انساں کی خیر خواہی کریں دوستی کریں
یہ کام جو کبھی نہ ہوا ہے ابھی کریں

اہلِ جنوں تو ضبط کے پابند ہی نہیں
اہلِ خرد تو کچھ میانہ روی کریں

قدرت کے ہاتھ میں ہی عروج وزوال ہے
لازم نہیں کہ لوگ کبھی خودسری کریں

بسمل کا رقص ہوگا جمع ہورہے ہیں لوگ
پتھر پہ گھس کے تیز ابھی سے چھری کریں

ہم نے نشاطِ عیش کی دعوت نہ کی قبول
کیوں تھوڑی دیر کیلئے عادت بری کریں

ہندؔی بروئے قبلہ گزارش گزار ہے
اس پر بھی اک نگاہِ کرم سر سری کریں

☆☆☆

O

جب کہ ہر سو ہے سنگ میل غلط
کیوں نہ ہو شہر کی فصیل غلط

کردیا اس نے قال و قیل غلط
معاملہ ہوگیا طویل غلط

دے رہا تھا وہ ہر دلیل غلط
اس نے رکھا ہی تھا وکیل غلط

خود تمہاری ہے ہر سبیل غلط
کر رہے ہو مجھے ذلیل غلط

اسپ شطرنج رخ پہ رکھ ہندی
شاہ کے سامنے ہے فیل غلط

☆☆☆

اطہر ہلسوی

ایک باوقار نام جن کے فن وکمال کی داد زمانے نے دی ہے۔مختلف ادارے نے آپ کی خدمت کو سراہا ہے۔ توصیفی اسناد انعامات و نوازشات سے نوازا گیا ہے۔ ہندوستان کے مختلف ادبی ماہنامے میں تواتر کے ساتھ آپ کی تخلیقات شائع ہوتی رہی ہیں۔اردو کی خدمت کے عوض انعام واکرام کی ایک لمبی فہرست ہے۔ یہاں میں طوالت کی وجہ سے ان کی تفصیل پیش کرنے سے قاصر ہوں۔ میرے مضمون میں اس سے متعلق کچھ تفصیلات آئی ہیں۔لیکن مزید معلومات کے لئے موصوف کا حالیہ مجموعہ " کشت خیال" میں اس مضمون کی پوری فہرست مل جائے گی۔ آپ بزم اتحاد کے موجودہ صدر ہیں فن کے اعتبار سے آپ کا شمار ایک کہنہ مشق شاعر کی حیثیت سے ہوتا ہے۔آپ کی صحبت میں شاگردوں نے ،تشبیہات ، استعارات ،خوبصورت پیرائے میں ثقیل سے ثقیل لفظوں کی بندش ، فنی باریکیوں سےخود کو بار آور کیا ہے۔ایک باکمال استاد کی طرح شاعری کی زیادہ تر صنف سے آپ کی واقفیت ہے۔مگر آپ کے جوہر غزل میں زیادہ کھلتے ہیں۔شمع خیال، طور خیال، دل ونگاہ،'کشتِ خیال' کے عنوان سے چار شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ اطہر ہلسوی کی سن پیدائش 1947 ہلسہ ضلع نالندہ بہار کی ہے۔ بچپن سے طبیعت ادب کی طرف مائل تھی جلد ہی آپ نے شعر کہنا شروع کر دیا۔غم روزگار سے نجات کا ذریعہ آپ نے اسکول میں پیشہ درس و تدریس کا اختیار کر کے اس غم کو غلط ثابت کیا۔ فی الحال ریٹائرمنٹ کی

خوشگوار زندگی گزار رہے ہیں۔ پہلی تخلیق شدہ نظم ''صدائے عام'' پٹنہ سے شائع ہوئی اور پھر یہ سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔ مسلم ہندی کے عظیم رفقا میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ مؤرّخ جب نالندہ کی ادبی تاریخ لکھے گا تو یقیناً حافظ محمد یعقوب اطہرؔ ہلسوی کا نام حرف جلی سے لکھے گا۔

☆☆☆

منقبت

(مخدوم الملک شیخ شرف الدین یحییٰ منیری)

دیارِ پاک مخدوم جہاں ہے
ولایت کے گلوں کا گلستاں ہے
مرے مخدوم کا وہ آستاں ہے
جہاں لٹتا کہ فیض بیکراں ہے
ضیائے علم و عرفاں پھیلتی ہے
نگر مخدوم کا وہ ضوفشاں ہے
یہ کیسا خوش نما منظر یہاں ہے
یہاں صبر و سکوں امن و اماں ہے
برستا ہے ہمیشہ ابرِ رحمت
یہاں ہردم بہاروں کا سماں ہے
نہیں خالی کوئی اس در سے لوٹا
بھرا ہر شخص کا دامن یہاں ہے
زماں آمادۂ ظلم و ستم ہے
تو اے مخدوم شرف الدین کہاں ہے
ہے پھر کفار کی زد میں مسلماں
کرم کر تو کہ مخدوم جہاں ہے
نگاہِ لطف ہو مخدوم اس پر
ترا اطہرؔ پریشاں بے اماں ہے

سبز پری

کچھ ذرا پہلے جو گھنگھور گھٹا چھائی ہے
آم کے پیڑ تلے سبز پری آئی ہے
اس نے سکھیوں کو بلایا تھا کہ جھولا ڈالیں
کیا حسیں رُت ہے یہ ساون کے ترانے گا لیں
سکھیاں آئیں تو جھولے پڑے ڈالی ڈالی
سب کے عارض تھے گلابی تو تھیں زلفیں کالی
ساری سکھیاں تھیں حسیں اور جواں شیریں زباں
لیکن اس سبز پری کی سی مگر بات کہاں
جس کے عارض پہ مچلتی تھی حیا کی سرخی
اور نگاہوں میں اُمڈتا ہوا سیلِ مستی
اس کے ہونٹوں پہ تبسم ہو تو بجلی چمکے
لب جو کھل جائے تو پھر باغ کا ہر گل مہکے
زلف لہرائی تو پھر جھوم کے ساون برسا
ہر شجر پیاس بجھانے لگا پیاسا پیاسا
پینگ لیتے ہوئے جب زلف نے مٹی چھو لی
ڈال پہ بیٹھی ہوئی ایک پپیہا بولی
یہ ہوائیں یہ گھٹائیں یہ سہانا منظر
یہ لچکتے ہوئے پودے یہ حسیں سبز شجر
میں بھی ہوں تم بھی ہو اور کتنا سہانا ہے سماں
یوں تو سب ساتھ سہیلی ہیں مگر پی ہے کہاں

O

لگ گئی کس شرر سے یہ گل کے بدن میں آگ
ایسی بھری بہار میں صحنِ چمن میں آگ
لالہ و نسترن میں آگ سرو سمن میں آگ
پھیل گئی اِدھر اُدھر سارے چمن میں آگ
غنچہ عطر بیز کیا، بلبل نغمہ ریز کیا!
دیکھی گئی ہر ایک کے سینہ ودل، دہن میں آگ
ہوگئے تار تار آج دامنِ امن و آشتی
بھر گئی جب محافظ امن و اماں کے من میں آگ
غنچے پڑے ہیں بے کفن اور کلی کی راکھ ہے
کس کو کفن نصیب لگ گئی جب کفن میں آگ
چل رہی ہے جو چار سو بادِ شرر فشاں اِدھر
اطہرؔ کوئی عجب نہیں لگ جائے فکر وفن میں آگ

☆☆☆

O

برائے زندگانی اب لکھی تحریر مدّت تک
لکھی ہے مصحفِ رخسار کی تفسیر مدّت تک
اسیرِ زلف مت ہونا ذرا ہوشیار ہی رہنا
نہ چھوڑے گی تمہیں یہ زلف کی زنجیر مدّت تک
غم دوراں کو ہی اپنا رفیقِ معتبر جانا
نہ پائی جب خوشی کی کوئی بھی تنویر مدّت تک
مٹانا چاہتے ہو جان لو ہم مٹ نہیں سکتے
ستم ڈھانے کی تم کرتے رہو تدبیر مدّت تک
ابھی دیکھا کرو تم زعفرانی خواب موقع ہے
مگر ڈھونڈا کرو گے خواب کی تعبیر مدّت تک
نہ دو تکلیف اطہرؔ تم کسی کو بات سے اپنی
کہ رہتی ہے زباں کے زخم کی تاثیر مدّت تک

☆☆☆

O

بے شک جو اہلِ علم تھے کافور ہوگئے
بے علم آج صاحب دستور ہوگئے
جو ضابطہ شکن ہیں بنے ہیں وہی وزیر
جو عیب تھے جناب کے مستور ہوگئے
افسوس کچھ ہی زخم جگر ہنس کے رہ گئے
جو زخم ہنس نہیں سکے ناسور ہوگئے
آنکھوں میں تیری ایسا نشہ تھا کہ کیا کہوں
تجھ سے نظر ملائی تو مخمور ہوگئے
میں یہ سمجھ رہا تھا بہت غمزدہ ہوں میں
اوروں کے غم کو دیکھا تو غم دور ہوگئے
اطہؔر کی شاعری ہے کیا جانتے ہو تم
ہے یہ خدا کی دین کہ مشہور ہوگئے

☆☆☆

O

دنیائے عاشقی میں وہی نام کرگیا
جو امتحان دارو رسن سے گزر گیا
تعریف کوئی راہ محبت کی کیا کرے
جو چل پڑا ہے اس کا مقدر سنور گیا
سوغات جذب عشق کی کتنی حسین تھی
جو شخص اس گلی سے گیا چشمِ تر گیا
بعد وصال کیف کا عالم نہ پوچھئے
دل میں مرے سرور کا دریا اتر گیا
ہنگام صبح چہرہ کشائی تو دیکھئے
شبنم سے دھل کے جیسے شگوفہ نکھر گیا
قاصد نے جب سنایا کہ پہنچا دیا پیام
فرط خوشی سے دامن امید بھرگیا
اطہر اٹھا جو محفل ہستی کو چھوڑ کر
کہتے ہیں لوگ آج کوئی دیدہ ور گیا

☆☆☆

آفتاب حسن شمسؔ

آپ بزم اتحاد نالندہ کے بانیوں میں ہیں۔ بہار شریف میں آفتاب حسن کی شخصیت تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ ادبی، ملی، سماجی دعوتی ہر میدان میں آپ کی صلاحیت فکر وشعور کی داد وصول کر چکی ہے۔ نثر نگاری اور شعر وادب آپ کا خاص مشغلہ ہے۔ مذہبی اور دعوتی اعتبار سے مراسلے اور مضامین گاہے بگاہے اخبار کی زینت بنتے رہتے ہیں بحیثیت شاعر آفتاب حسن کی شاعری ہر شعری تقاضے کو پورا کرتی ہے۔ جلد ہی قارئین کے ہاتھوں میں آفتاب حسن کا شعری مجموعہ نظر آئے گا۔ آپ کے دادا جان سید شاہ مجتبیٰ حسن صاحب کا علمی وادبی ذوق کافی بلند تھا۔ وہ شاعر و ادیب تو نہیں تھے لیکن ایک عمدہ قاری، سنجیدہ سامع تھے۔

اختر اورینوی صاحب کی تحقیقی کتاب "بہار میں اردو زبان وادب کا ارتقاء" کو ایک طرح کی تاریخی حیثیت حاصل ہے جناب اختر اورینوی صاحب نے اس کتاب میں شاہ مجتبیٰ صاحب کے علمی ذوق کا تذکرہ کیا ہے اور ساتھ ہی اس خاندان پر تفصیلی بحث بھی کی ہے۔ اس کتاب میں شاہ عطا حسین عطا صاحب اور اسحاق دمڑیا جیسے ممتاز شاعر اور نثر نگار کا ذکرِ خاص ملتا ہے جناب آفتاب حسن صاحب کا شمار اسی خانوادے میں ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے شعر و ادب ان کا خاندانی ورثہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ میرے دادا جان محترم سید شاہ طٰہٰ اشرفؔ استھوی، جناب شاہ مجتبیٰ حسن کے نسبتی بھائی (بہنوی) تھے۔

آفتاب حسن کی تاریخ پیدائش 31 اگست 1962 محلّہ دائرہ بہارشریف کی ہے۔ جامعہ و علی گڑھ سے آپ نے علمی مدارج کی سند حاصل کی ہے۔ بعد میں آپ نے ''ایل۔ ایل۔ بی'' بھی کیا۔ علی گڑھ کا رنگ آپ کی زندگی میں نمایاں ہے۔ آفتاب حسن ایک ایسے معاشرے کے دلدادہ ہیں جہاں بلاتفریق مذہب و ملت، معاشی، مذہبی، ادبی ہر میدان میں ہر فرد کو نمایاں مقام مل سکے۔

☆☆☆

لا الہ الااللّٰہ

رہے یہ ورد زباں لا الہ الا اللہ   طرب رہے کہ فغاں لا الہ الا اللہ
یہ نغمہ ہے نئے فطرت میں آفرینش کے   ہے ورد کرو بیاں لا الہ الا اللہ
کسی کے روکے رکا ہے نہ رک سکے گا کبھی   یہ ہے وہ سیل رواں لا الہ الا اللہ
غلط ہے فکر تو بنیاد اختلاف بھی ہے   صحیح، تو امن و اماں لا الہ الا اللہ
نہ اقتدا، نہ امامت رہی نہ یاد رہا   مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ
نوید احمدِ مرسل تا کنج دشت و دمن   کرے گا کون بیاں لا الہ الا اللہ
اگرچہ سہل نہیں ہم نے پر کیا ہے قبول   یہ ذکر بارِ گراں لا الہ الا اللہ

☆☆☆

پیارے وطن

تو سلامت رہے میرے پیارے وطن
ناز کرتے ہیں تجھ پر نگارِ وطن

خوبیوں میں تو یکتا ہے یکتا رہے
تیرے گلشن کا ہر گل مہکتا رہے
تیرے آنگن میں سورج چمکتا رہے
تیری صورت کو چندا بھی تکتا رہے

چاند تاروں سے بڑھ کر تیری انجمن
تو سلامت رہے میرے پیارے وطن

تیرا گلشن جہاں بھر میں گلزار ہے
تاج ہے اور اجنتا ہے مینار ہے
جو یہاں رفعت فن کا شہکار ہے
تیری سرحد ہمالہ کی دیوار ہے

تیرے دامن میں بہتی ہے گنگ و جمن
تو سلامت رہے میرے پیارے وطن

سب سے پہلے پڑے قدم آدم یہاں
کشتیٔ نوح کے بھی ملے ہیں نشاں
ہے مفصل بہت رام کی داستاں
کرشن کا جین کا بدھ کا یہ گلستاں

خوشبو دیتا تھا احمد کو تیرا چمن
تو سلامت رہے میرے پیارے وطن

ہے یہاں زیورِ حسن شرم و حیا
روشنی علم و دانش کی تو نے دیا
تیری ہی خاک سے وہ بنا تھا دیا
جس سے پھیلی ہے سارے جہاں میں ضیا

پھوٹتی ہے یہیں سے وہ ساری کرن
تو سلامت رہے میرے پیارے وطن

اب محبت کے ماروں کی روداد سن
کچھ تڑپتے ہوئے دل کی فریاد سن
ان دنوں ہم کہاں تک ہیں آزاد سن
تاک میں تیری بیٹھے ہیں صیاد سن

لوٹنا چاہتے ہیں ترا بانکپن
تو سلامت رہے میرے پیارے وطن

اے وطن میں بھی شامل ہوں اس پھول میں
مر کے جو مٹ چکا ہے تری دھول میں
داغ خوں میرا اب تک ہے ترشول میں
یہ سزائیں ملیں مجھ کو کس بھول میں

رقص بسمل ہوا ہے جدا سر سے تن
تو سلامت رہے میرے پیارے وطن

ہم شہیدوں کے خوں اب بھی تابندہ ہیں
اے وطن پھر بھی ہم تجھ سے شرمندہ ہیں
تھے جو گاندھی کے قاتل ابھی زندہ ہیں
گل کھلانے کو تیار آئندہ ہیں

نوچ لیں یہ ترا ہر حسیں پیراہن
تو سلامت رہے میرے پیارے وطن

دیکھ سب سو گئے خوابِ خرگوش میں
تیری خودداری کب آئے گی جوش میں

گاندھی پھر کوئی ہو تیری آغوش میں
تیرے فرزند آئیں گے تب ہوش ہوں

شمسؔ یوں بھی کبھی تو ہو طرزِ سخن
نوجوانوں اٹھو سر سے باندھے کفن
پھر سنانا ترانہ کوئی پرُ لحن
تو سلامت رہے میرے پیارے وطن

☆☆☆

☆

مرے عشق کا فسانہ بڑا خوشگوار ہوتا
جو نہ زندگی میں کوئی غمِ روزگار ہوتا
ملی وہ قفس میں سوزش کہ اگر شکار ہوتا
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا
تری ہر ستم ظریفی کو نوازشیں سمجھ کر
میں سمیٹ لیتا، دامن جو نہ تار تار ہوتا
وہ ہر ایک حادثہ جو مری زندگی میں گزرا
میں کبھی کا بھول جاتا جو نہ بار بار ہوتا
تمہیں پاس رسم و رہ تھا تو کبھی تو پوچھتے تم
جو خفیف سا تھا رشتہ وہی استوار ہوتا
کوئی سنگ دل پشیماں ہوا ہے ضرور ورنہ
ترا خط نہ آنسوؤں سے کبھی داغدار ہوتا
کہی شمسؔ نے غزل جب ملی تجھ سے داد ناقد
وہ نہیں تھا معتبر تو ترا اعتبار ہوتا

☆☆☆

O

اب ہمنوا نہیں ہے کوئی ہمسفر نہیں
مجھ پر جو تیری نظرِ کرم چارہ گر نہیں
اب تو خفا خفا سی ہے بادِ بہار بھی
جس پر تھا آشیاں وہی شاخِ شجر نہیں
آنکھوں میں کاٹ کر شبِ فرقت گزار دی
ڈوبا مہ خیال میرا رات بھر نہیں
ان کی ادائے ناز کو ملتا رہا فروغ
شکوہ نہیں کہ آہ و فغاں میں اثر نہیں
ان کی ستم ظریف مزاجی پر ہوں نثار
ایسی ادا پہ کیسے کوئی جائے مر نہیں
ہر ہر قدم سنبھال کے رکھ اے سبک خرام
میرا سر نیاز ترا سنگ در نہیں
غم یہ نہیں کہ مرغ چمن زیرِ دام ہے
صدمہ یہ ہے کہ آرزوئے بال و پر نہیں
کاغذ پہ شمسؔ اشک کے داغوں کا مول کیا
خون جگر جلے تو جلے چشمِ تر نہیں

☆☆☆

O

ہے یہ بھی کوئی بات کہ جو بات کرو ہو
پامال دلِ یار کے جذبات کرو ہو
جب چاہے جی نظر عنایات کرو ہو
جب چاہے ہے دل ترک موالات کرو ہو
جی چاہے تو دے دیتے ہو زلفوں کی اسیری
جی چاہے تو تحویلِ حوالات کرو ہو
خالی ہے میرے ہاتھ میں کشکول گدائی
اور تم ہو کہ دعوائے مساوات کرو ہو
ہے جوروجفا مشق ستم شیوا تمہارا
الزام میرے سر کہ فسادات کرو ہو
لا فانی ہوئے جاتے ہیں مقتول تمہارے
تم قتل کرو ہوکہ کرامات کرو ہو
مرتا ہے اگر شمسؔ تو ہوتی ہے مسرت
اظہار غمِ مرگِ مفاجات کرو ہو

☆☆☆

بے نام گیلانی

آپ کا شمار بزم اتحاد کے باکمال و مستند فنکاروں میں ہوتا ہے۔آپ کی شاعری و نثر نگاری، کے علاوہ صحافت کے قدر ران بھی کافی تعداد میں ہیں۔ اخبار و رسائل زبان و ادب سے دلچسپی رکھنے والا ہر شخص بے نام گیلانی کے نام سے واقف ہے۔آپ ادب کے ہر میدان میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ ہم ہر لحاظ سے انہیں کامیاب و کامران کہہ سکتے ہیں آپ کا ہر قدم منزل کے متلاشی کو نشان رہگزر کا پتہ دیتا ہے۔ بادی النظر میں میرا یہ جملہ قابل گرفت ہو کہ میں نے صرف بزمِ اتحاد کا ذکر کر کے آپ کی صلاحیتوں کو مخصوص دائرے میں مقید کر دیا ہے یہ جملہ معترضہ کسی حد تک درست بھی ہے اور میں جانتا بھی ہوں کہ کسی فرد واحد کی صلاحیت کو کسی باؤنڈری میں مقید نہیں کیا جا سکتا ہے۔ مگر اس کے باوجود میں نے یہ بات دانستہ لکھی ہے۔ بزم اتحاد ہمارے لیے شان امتیاز بھی ہے اور شان فخر بھی ہم اراکین بزم کے لیے یہ فخر کی بات ہے کہ بزم اتحاد میں کیسے کیسے ذی علم اور مقتدر فنکار ہیں۔

بے نام گیلانی صاحب کا پورا نام عبدالغفور ہے۔مگر پتہ نہیں کیوں موصوف کو یہ صفاتی نام کی جگہ بے نام ہونا زیادہ پسند آیا۔ عام طور پر لوگ اپنے نام کے ساتھ تخلص کا اضافہ اسی نام کی لحاظ سے کر لیتے ہیں یا پھر ایک نئے نام سے خود کو متعارف کراتے ہیں۔ اور اصلی نام کی جگہ وہی نام آپ کی شناخت بن جاتا ہے۔ادبی حلقوں میں بے نام گیلانی

صاحب کی وہی کیفیت ہے اصلی نام سے کم ہی لوگ واقف ہیں۔ بے نام گیلانی صاحب بے نام ہوکر بھی ادب میں نام آور ہیں۔ بے نام صاحب کا خاندانی تعلق ضلع نالندہ کی مشہور بستی گیلانی سے ہے۔ یہ بستی مشہور عالمِ دین جناب مناظر احسن گیلانی کی جائے پیدایش بھی ہے۔

بے نام گیلانی صاحب پہلی اگست 1968 کو گیلانی میں پیدا ہوے آپ کے والد کا نام علی حیدر رضوی ہے۔ یہ خاندان علمی و مذہبی اعتبار سے تاریخی وتہذیبی اہمیت رکھتا ہے۔ یقیناً اس اعتبار سے موصوف کو شعر وادب کا شوق بچپن سے رہا ہوگا مزید مشق نے آپ کے جوہر کونمایاں کر دیا۔ از بعدہ شاعری کی رموز ونکات سے جناب علقمہ شبلی صاحب نے آپ کو روشناس کرایا۔ اس وقت اردو کے ہر کثیر الاشاعت اخبار و رسائل میں آپ کی تخلیقات شائع ہوتی رہتی ہیں۔ اگر آپ کو موصوف کے ادبی معیار کا اندازہ کرنا ہے تو آپ ان کی یہ دونوں کتابیں نقد ونظر (تنقید) اور چمن زار شعلہ (شعری مجموعہ) کا مطالعہ ضرور کریں۔ آپ کو ان کی ذہنی کیفیت، قلمی صلاحیت کا اندازہ کافی حد تک ہو جائے گا۔

☆☆☆

سالِ نو

نئی امید جاگی ہے نیا نغمہ سنایا ہے
یہ سالِ نو جو آیا ہے نیا پیغام لایا ہے

اُٹھو اب نیند سے بیدار ہو ہندوستاں والو
تقاضا ہے کہ اب ہوشیار ہو ہندوستاں والو

ہوائے نو کے جھونکوں نے تمہیں پھر سے جگایا ہے
یہ سالِ نوجو آیا ہے نیا پیغام لایا ہے

بھلا دو گزرے سالوں کی سبھی تلخی تو اچھا ہے
محبت اور اخوت ہو اگر سچی تو اچھا ہے

نئی اس صبح نے کیسے مری حس کو جگایا ہے
یہ سال نو جو آیا ہے نیا پیغام لایا ہے

نیا یہ سال ہے لوگو نئی آواز کے باہم
نہ ہو انجام کی پروا نئے آغاز کے باہم

سنو قدرت نے کتنے خواب کا جادو جگایا ہے
یہ سال نو جو آیا ہے نیا پیغام لایا ہے

گلستانِ وطن میں پھر نئی خوشبو بکھرتی ہے
دُلہن فطرت کی بھی کیسے نیا سنگار کرتی ہے

فضائے خوش نما نے بھی نقابِ رخ اٹھایا ہے
یہ سال نو جو آیا ہے نیا پیغام لایا ہے

نئی تاریخ لکھنے کو نیا اک سال آیا ہے
نئے افکار کے باہم نئے جذبات لایا ہے

تخیل کا پرندہ بھی نیا سا پر لگایا ہے
یہ سال نو جو آیا ہے نیا پیغام لایا ہے

کریں اک راہ ہم ہموار اس بھارت میں الفت کی
بسائیں اک نئی بستی محبت کی مسرت کی

عداوت اور بغاوت نے بہت ہی خوں بہایا ہے
یہ سال نو جو آیا ہے نیا پیغام لایا ہے

☆☆☆

O

خود کو خود کی چشم میں رسوا کریں
بیوفا کا کس طرح شکوہ کریں
دکھ میں جو اک دن بھی کام آیا نہیں
کس طرح اس بت کی ہم پوجا کریں
بوڑھے برگد کی جڑیں مضبوط ہیں
آندھیاں جتنی یہاں اُٹھا کریں
سنگدل کو چاہنا ہوگا گناہ
گلستان زیست کو صحرا کریں
پتھروں کا شہر بسنا چاہیے
خواہ جنگل جس قدر اجڑا کریں
جن کا دامن خون سے ہے تر بہ تر
ہم نہیں کہ ان سے سمجھوتا کریں
وہ پگھل سکتے نہیں جتنا بھی آپ
پتھروں کے سامنے گریہ کریں
ان کے چہرے پر شکن آتی نہیں
گیسوئے ہندوستاں اُلجھا کریں

☆☆☆

O

کہاں کی بات کہاں آج آ کے ٹھہری ہے
کہوں تو کیسے شبِ ہجر میں کیا گزری ہے
مجھے تو تیری محبت پہ اعتبار نہیں
کئی جوانی ترے در پہ آ کے بکھری ہے
وہ اس طرح سے نمودار ہوگئے آ کر
فلک سے جیسے کوئی حور آج اتری ہے
فضا میں جس نے اڑایا ہے تیرے آنچل کو
قسم سے اور نہیں کوئی بادِ سحری ہے
مجھے کراتا کوئی آشنا حقیقت سے
مری ہتھیلی پہ تحریر کوئی ابھری ہے
مری سماعتوں پر کس قدر گراں گزری
ادا خفیف ہے لیکن صدا تو جہری ہے
اسی لئے کبھی عہدِ وفا نہیں کرتا
وفا کا پاس بھی تو ایک قید عمری ہے
سبھوں کی فہم میں آئے کبھی نہیں ممکن
ترے بھی شعر میں بے نام بات دہری ہے
☆☆☆

O

جو اسیرِ شراب بھی ہوگا
وہ غلامِ شباب بھی ہوگا

بیکلی جس کے دل میں ہے زاہد
صاحبِ انقلاب بھی ہوگا

عاشقوں کے ہجوم میں کوئی
مجھ سا خانہ خراب بھی ہوگا

اُن نگاہوں کے کچھ سوالوں کا
مختصر سا جواب بھی ہوگا

گرد آلود ہے بدن جس کا
کل کو عزت مآب بھی ہوگا

صرف نیت درست کر لیجئے
کام سارا شتاب بھی ہوگا

ابر میں چاند ہوجا پوشیدہ
حسن وہ بے حجاب بھی ہوگا

☆☆☆

O

ناخدا بے مہار کشتی میں
کس پہ ہے انحصار کشتی میں

ڈگمگانے لگی ہے ہر لحہ
زیست ناپائدار کشتی میں

کیسی دیمک زدہ ہے یہ پتوار
بادباں تار تار کشتی میں

تنگ اب دامنِ زمیں ٹھہرا
ہوں گے لیل و نہار کشتی میں

بک رہا ہے نہ جانے کیا کیا پھر
وہ کوئی دلفگار کشتی میں

عشق کے دم پہ جسمِ نازک کا
چل پڑا کاروبار کشتی میں

ایک دلہن کا کس طرح دیکھو
لٹ گیا ہے سنگار کشتی میں

یا خدا اس پہ رحم فرمانا
چھید ہے آرپار کشتی میں

☆☆☆

مجید عامر

شاعری ایک لطیف فن ہے یہ زندگی کی نگارشات، سماجی نظریات، احساسات و جذبات، اور معاشرے میں درپیش مسائل کو لفظوں کے حسین امتزاج کے ساتھ بامقصد انداز میں پیش کرتی ہے۔ احساسات و جذبات کی ترجمانی کوئی آسان کام نہیں ہے۔ شاعری انسانی تصورات کو گوں ناگوں شکل میں ابھارتی ہے۔ شاعری ایک فن ضرور ہے لیکن ساتھ ہی انسانی ذہن اور روح کا بہترین مظاہرہ ہے۔ جو اندیشۂ سود وزیاں سے بے نیاز ہوکر متوازن و متین نقطہ نظر کے ساتھ تخلیق کی جاتی ہے۔ ادب میں دوسرے فن کی طرح شاعر کی حیثیت صرف ایک میڈیم کی نہیں ہے۔ اس کی پرواز اس نقطہ عروج تک جاتی ہے جہاں سے پیغمبری کا دعویٰ شروع ہوتا ہے۔ شرعی اعتبار سے شاعر کی شخصیت ایک پیغمبر کی ہرگز نہیں ہے۔

مگر قومی اعتبار سے اس کی شخصیت پیغمبر کی ہی ہے۔ اس کی قوتِ متخیلہ ایک عام انسان سے بہت بلند ہوتی ہے اور یہی اس کے معیار اور مقام کو متعین کرتی ہے۔ زندگی کے مشاہدات، معاشرے کے مسائل کے علاوہ بھی جب شاعر اپنا درد بیان کرتا ہے تو وہ زمانے کا درد بن جاتا ہے۔ زندگی کے ساتھ بھی اور زندگی کے بعد بھی اس کی شخصیت مردہ نہیں ہوتی اس کے اقوالِ زرّیں بار بار شعر کی صورت میں دہرائے جاتے ہیں۔

میری صناعی کا کیا پوچھتے ہو آے جہاں والو
جبین وقت پر منہ بولتی تعمیر زندہ ہے
مری شہرت کا سکہ آج بھی دنیا میں جاری ہے
مری تخلیق کاری سے مری تشہیر زندہ ہے
کبھی ساز طرب بن کر، کبھی ذوق عمل بن کر
محبت کے لہو میں جذبۂ تطہیر زندہ ہے

یہ اشعار مجید عامر صاحب کے ہیں۔ بیشک یہ اشعار کسی اور خیال کے پسِ منظر میں لکھے گئے ہیں لیکن شاعر وہی چیلنج پیش کر رہا ہے جو چیلنج اس مضمون کی کیفیت میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ فن کا کمال ہی ہے کہ شاعر کی جسمانی موت واقع ہونے کے باوجود اس کی ذات فنا نہیں ہوتی۔ کبھی بھی اس کی ذات وفن پر بحث کی جاسکتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس وقت مجید عامر صاحب ہمارے لئے بحث کا موضوع ہیں۔ اصطلاحی طور پر شاعر کی دو قسم ہے۔ ایک، جسے قدرت نے فطری طور پر یہ فن بخشا ہے اور دوسری قسم کے شاعر وہ ہوتے ہیں جنہیں قدرت نے یہ فن تو نہیں بخشا ہے لیکن کسب فن کی بنیاد پر وہ اس فن پر فتح حاصل کرتے ہیں۔ ادب میں دوسرے قسم کے شاعر کی حیثیت ثانوی ہے۔ فطری شاعر اپنی شاعری میں شاعری کی تمام عناصر ترکیبی کے ساتھ شعر کے پردے میں اپنی روح کو بے نقاب کرتا ہے۔ فطری شاعر کو مستند علمی سند کی ضرورت نہیں ہوتی ابتدائی تعلیم کے ساتھ زندگی کا مطالعہ ومشاہدہ، اور قدرت کا مہربان ہونا اس سے کہیں زیادہ لازمی ہے۔ مثال کے طور پر رمزؔ عظیم آبادی، قمرؔ جلالوی کی شخصیت علمی سند کے اعتبار سے ثانوی ہے لیکن اس کمی سے آپ کی شاعرانہ لیاقت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ ادب میں ہر طرح سے آپ شخصیت مستحکم ہے۔

مجید عامر ایک فطری شاعر تھے۔ آپ کی پیدائش 1930 میں بہار شریف کے محلّہ شیخانہ خرد میں ہوئی تھی۔ آپ کے والد کا نام عبدالحمید تھا۔ عبدالحمید صاحب کی کولکاتہ کے پارک سروس میں ایک چھوٹی موٹی دوکان تھی۔ زندگی مالی مشکلات کا شکار تھی اس مشکلات

کے سبب مجید صاحب کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی آپ نے مدرسہ، اسکول و کالج کہیں سے بھی فراغت حاصل نہیں کی۔ آپ کے والد نے جو خوشحال زندگی کا خواب دیکھا تھا وہ جلد ہی پریشانی و مصائب کی نذر ہو گیا۔ مجید صاحب ابھی ڈھائی سال کی عمر میں ہی تھے کہ والدہ کا انتقال ہو گیا۔ پھر آپ کی پرورش و پرداخت ایک مسئلہ بن گئی۔ پرورش و نگہداشت کی ذمہ داری نانیہال نے فرضِ منصبی کے طور پر قبول کی۔ زندگی ابھی ٹھیک سے ایک ڈگر پر چل بھی نہ پائی تھی کہ قدرت نے آپ سے ایک اور امتحان لے لیا نو سال کی کم سن عمر میں والد کا انتقال ہو گیا۔ اس بازوئے ناتواں پر فکر معاش کا بوجھ آ گیا۔ آپ بہار شریف سے نقل مکانی کر کے کولکاتہ آ گئے آپ نے والد کی چھوڑی ہوئی دوکان کو سنبھالنا شروع کیا۔ زندگی مستقل بحران کا شکار بن کر رہ گئی اس خوبصورت خواب کی تعبیر اس قدر کریہہ ہو گی وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ آپ کو یہ صدمہ ہمیشہ رہا کہ آپ عام طالب علم کی طرح اسکول و مدارس میں نہ پڑھ سکے۔ اس زخم کا مداوا آپ نے اخبار و رسالے کے مسلسل مطالعے سے پورا کیا اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رکھا۔ زندگی کا یہ زخم مندمل تو نہ ہو سکا لیکن اس دل کے زخم نے اپنے وجود کا ادراک، شعور و فہم، دنیا کی فریب کاری، صبر و شکر اور کئی اسباق کی تشریح و توضیح اشعار کے قالب میں کرنا سیکھ لیا تھا۔ ایک قابل شاعر و ادیب کی طرح اس زندگی کا مشاہدہ آپ نے صرف اپنی ڈرائنگ روم کی کھڑکیوں سے نہیں کیا بلکہ اس کرب و بلا کو دل پر محسوس بھی کیا۔ آپ ابتدائی دور میں شیدہ بانو شوخ کے نام سے لکھتے رہے لیکن جلد ہی اس فرضی نام کو بدل کر مجید عامر کے نام سے لکھنے لگے۔ مجید صاحب ایک فطری شاعر تھے آپ کے اشعار میں ایک قائد، رہبر، معلم، سر بلند، ممتاز اور سرفراز انداز میں مخاطب نظر آتا ہے۔

ملو دل سے خلش دل سے مٹاؤ
محبت کی فضا میں لوٹ آؤ
ہوا بکھراؤ کی چلنے لگی ہے
سنبھل کر تم قدم آگے بڑھاؤ

آپ آسان لہجہ میں بات رکھنے کا سلیقہ خوب جانتے ہیں ایک پیشگو کی طرح مستقبل پر نظر بھی رکھتے ہیں۔ایک کامیاب شاعر صرف آپ کو آپ کے مستقبل سے آگاہ ہی نہیں کرتا اختیارات کے حدود کو بھی متعین کرتا ہے۔

اُگاتا تھا ہتھیلی پر جو سورج
مہ و خورشید اختر ڈھونڈتا ہے
پئے امداد پھر اب اہلِ ایماں
ابابیلوں کا لشکر ڈھونڈتا ہے

یہ مضمون شاعری میں کوئی اچھوتا مضمون نہیں ہے۔شاعر کا منفرد لب ولہجہ، الفاظ کا انتخاب انوکھے پن کا احساس دلاتا ہے۔مجید صاحب نے ایک واعظ کی صورت میں اس مضمون کے حق کو ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔اُمتِ مسلمہ جس طرح ماضی کے کارنامے پر خود کو فخر و کامران محسوس کرتی ہے اور مستقبل میں بھی ایسے ہی کارنامے کی تائید غیبی سے منتظر ہے ان اشعار میں اس خیال کی نفی کی گئی ہے۔

مجید عامر ایک شاعر کے ساتھ مخلص اور نیک دل انسان بھی تھے۔

طبیعت کافی سادہ پائی تھی۔آپ کی نظر میں اہلِ علم اور عزیز و اقارب کا خاص مقام تھا ہر رشتے کو وہ ترجیح دیا کرتے تھے۔مجید صاحب 7 جولائی 1998 کو رحلت فرما گئے آپ کی تجہیز و تکفین محلّہ چھجو کے قبرستان میں عمل میں آئی۔آپ ہزار اختلافات کے باوجود بزم سے آخری سانس تک جڑے رہے۔

☆☆☆

ایک معصوم سوال

(ایک فاحشہ کی زبان سے)

کوئی کہتا ہے کہ میں پیکرِ رعنائی ہوں
کوئی کہتا ہے کہ گردوں سے اتر آئی ہوں
کوئی کہتا ہے مجھے قوم کی ناسور ہوں مَیں
کوئی کہتا ہے کہ جلتا ہوا تندور ہوں میں
میں کہ قسمت کی ستائی ہوئی بنتِ حوا
اپنی سانسوں کو بچائے ہوئے رکھنے کے لئے
چند چاندی کے کھنکتے ہوئے سکوں کے عوض
اپنے فن، اپنی جوانی کا ہوں سودا کرتی
کیا یہ تحقیر ہے، تذلیل ہے، تقصیر ہے یہ؟؟

☆☆☆

بیتے دنوں کی یاد

وہ دن کتنے سندر تھے
جب بابل کی انگنائی سے
میں جھوم اٹھی شہنائی ے
میں ہار گئی چترائی سے
وہ دن کتنے سندر تھے
میں سنگ پیا کے ساتھ چلی
سنگ ڈولی کے بارات چلی
وہ جیت گئے میں مات چلی
وہ دن کتنے سندر تھے
جب ساون کی رت آتی تھی
جب گیت پپیہا گاتی تھی
جیون میں آگ لگاتی تھی
وہ دن کتنے سندر تھے
جب موسمِ گل میں شاخوں پر
جب کلی کہیں مسکاتی ہے
بیتے دن یاد دلاتی ے
وہ دن کتنے سندر تھے

☆☆☆

O

گنہگاروں کو محشر ڈھونڈتا ہے
شفاعت کو پیمبر ڈھونڈتا ہے

پئے امداد پھر اب اہلِ ایماں
ابابیلوں کا لشکر ڈھونڈتا ہے

اُگاتا تھا ہتھیلی پہ جو سورج
مہ و خورشید، اختر ڈھونڈتا ہے

ہمارے شوق کے دیوانہ پن کو
ترے کوچے کا پتھر ڈھونڈتا ہے

کہاں ملتے ہیں اب نباض فطرت
تو کیوں اقبال و جوہر ڈھونڈتا ہے

جنہیں اللہ نے بخشی تھی امامت
وہ خود اب اپنا رہبر ڈھونڈتا ہے

جبینِ شوق کے سجدے کو عامؔر
کسی محبوب کا در ڈھونڈتا ہے

☆☆☆

O

جذبوں کے گھر کو تاج محل کہہ رہے ہیں لوگ
لفظوں کے پیراہن کو غزل کہہ رہے ہیں لوگ

بکھری ہوئی حیات کا ماتم میں کیا کروں
شائستہ زندگی کو اصل کہہ رہے ہیں لوگ

پلکوں پہ ہم نے خواب سجائے ضرور تھے
اس کا یہی ہے ردِّ عمل کہہ رہے ہیں لوگ

ملتی نہیں ہے یوں ہی کبھی منزلِ مراد
کانٹوں کی رہگزر پہ بھی چل کہہ رہے ہیں لوگ

اتنی نہ تیز دوڑ کہ ٹکرا کے گر پڑے
رک، اور دیکھ راہ، سنبھل کہہ رہے ہیں لوگ

عامؔر لہو نچوڑ کے لکھی ہے یہ غزل
پھر بھی ہوئی نہ شوخ غزل کہہ رہے ہیں لوگ

☆☆☆

امتیاز احمد ماہؔر

آج میں ایک ایسی شخصیت سے روبرو ہوں۔جن کے اخلاق و اوصاف، زہد و پاکیزگی، جذبۂ محبت کا کوئی حریف نہیں۔ ہر شخص ان کے زہد وتقویٰ علمی لیاقت ذکر وفکر پاکیزہ صفات کا قائل ہے۔ہم بندگان خدا کی اصلاح، اسلام کی اشاعت وتبلیغ آپ کی زندگی کا مقصد ہے۔ دنیاوی جاہ وجلال اور مال ودولت کے لئے تگ ودو آپ کا شیوہ نہیں،آپ کی حقیقی مذہبی زندگی باطن پاکیزگی سے عبارت ہے جوظاہری صفات کی لامحدود سطحوں کے پس پردہ کارفرما ہے۔ مجھے امتیاز احمد ماہؔر صاحب کی صحبت میں نشست و برخواست کا زیادہ موقع نہ مل سکا۔لیکن کبھی کبھی تبلیغی جماعت کے درس میں شامل ہونے کا اتفاق رہا ہے نرم لہجہ دلپزیر بیان، ہر گفتگو میں نقطہ نظر کی وضاحت، اور ایسی وضاحت کہ گہری تاثیر کے ساتھ دل میں اتر جائے۔ میں گناہگار بندہ بہت زیادہ اس صحبت سے فیضیاب نہ ہوسکا مگر جو مستقل اس درویش کی صحبت میں رہے ہیں وہ آپ کے زہد وتقویٰ افکار وتعلیمات کی نہایت عظیم الشان تصویر پیش کرتے ہیں میں ایک زمانے تک امتیاز احمد صاحب کو ایک صوفی بزرگ کی حیثیت سے ہی جانتا تھا لیکن بعد میں مجھے پتہ چلا کہ آپ ایک عمدہ شاعر بھی ہیں میرے لئے یہ بالکل نیا انکشاف تھا۔ میں اس وقت بزم اتحاد میں سرگرم تھا۔ میری خواہش تھی کہ آپ بزم کی نشست میں شریک ہوں لیکن اس وقت یہ خواہش پوری نہ ہوسکی۔ بعد مدت بزم کی نشست میں مجھے سماعت کا موقع ملا۔ابھی میں ان

کیفیات کے مشاہدے سے لطف اندوز ہو ہی رہا تھا کہ اربابِ قلم سے اطلاع ملی کہ آپ کا شعری مجموعہ ''دل ہی تو ہے" شائع ہو چکا ہے۔ ادبی تقدس کے اعتبار سے کلام کا شائع ہونا پھر مجموعہ کلام کا شائع ہونا اس شاعر کی تقدیر میں متاعِ فخر ہے۔

علم وادب سے امتیاز صاحب کا پیدائشی رشتہ ہے۔ گھر، آنگن، خاندان، علی گڑھ ہر وہ جگہ، جہاں ادب ایک تحریک کی صورت میں مقامی، جغرافیائی، اور ثقافتی انداز فکر کے ساتھ ذہن میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔ ان اثرات سے ایسی علمی شخصیت کا وجود میں آنا کوئی تعجب کی بات نہیں آپ نے عہد طفلی سے لیکر کالج کے زمانے تک ہر مشاہیر فن کے کلام، اور مشاہیر فن کی صحبت سے استفادہ حاصل کیا۔ بہار کے مشہور شاعر احقر بہاری آپ کی والدہ کے چچا تھے جن کا نام بشارت حسین تھا علم وادب کا ذوق کسی حد تک آپ کا خاندانی عطیہ بھی ہے۔ آپ کی پیدائش سن عیسوی کے اعتبار سے 1944 ہے۔ ماشائاللہ امتیاز صاحب عمر کی 77 بہاریں دیکھ چکے ہیں آپ کی زندگی کئی نشیب وفراز سے گزر چکی ہے۔ ابتدائی تعلیم کا سلسلہ گھر سے شروع ہوتا ہے پھر نالندہ کالج بہار شریف سے بی اے آنرس کی ڈگری حاصل کرتے ہوئے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم اے، ایم فل کی سند حاصل کرتے ہیں۔ علی گڑھ کے ادبی ماحول اور ملک گیر شہرت یافتہ اساتذہ کی کیمیا گر صحبت نے امتیاز صاحب کے ذوق کو کندن کی طرح نکھار دیا۔ خورشید الاسلام، خلیل الرحمٰن اعظمی، شہریار، قاضی عبدالستار وغیرہ کے ادبی اور علمی فیض نے ذہن کے ان دریچوں کو بھی کھول دیا جہاں ہزار مطالعے کے باوجود انسان کے ذہن پر اگر اور مگر کے کئی قفل لگے رہتے ہیں۔ یہاں ایک مکمل نظام فکر، اور فلسفہ زندگی نے ان کی شاعرانہ عظمت کو مختلف سمت میں موڑ دیا۔ اس طرح امتیاز صاحب کی شاعری صرف حالِ دل بیان کرنے کا ذریعہ نہیں رہی یہاں ساتھ ساتھ ایک فلسفی، مفکر، راہبر، مبلغ بھی قدم در قدم چلتا ہوا نظر آتا ہے۔

رہ گذر کے نشاں ہوئے ہم لوگ
اب تو اک داستاں ہوئے ہم لوگ

اب تو صدیوں سے ہیں زمیں کی طرح
جانے کب آسماں ہوئے ہم لوگ
مقصدِ زندگی کو بھول گئے
زحمتِ انس و جاں ہوئے ہم لوگ

آپ نے غور فرمایا ہوگا ہر شعر ایک دوسرے سے اس قدر مربوط ہو کر بھی اپنی معنویت کے اعتبار سے اپنی علیحدہ شناخت رکھتا ہے۔ ہر شعر ایک تاریخ کو پیش کر رہا ہے۔ آپ نے ماضی میں نامور اجداد کے شاندار دور کا احساس دلا کر افکار و خیالات کو ترسیل کا وسیلہ بنایا ہے۔ ان اشعار میں امتیاز صاحب کے ذریعہ کئے گئے آسان لفظوں کے استعمال سے شعری وقار میں کمی نظر نہیں آتی ہے بلکہ یہ اپنی بات مدلل انداز میں عام فہم قاری تک بھی با آسانی رکھنے میں کامیاب ہیں۔ امتیاز صاحب کی شاعری عشقیہ سحر انگیزی سے باہر کے مضامین پر زیادہ قدرت رکھتی ہے۔ مجھے آپ کی بیاض پڑھنے کا اتفاق تو نہیں ہوا لیکن میں ادھر متواتر مشاعروں میں آپ کو سنتا رہا ہوں۔ میں اس بنیاد پر اپنا یہ دعویٰ پیش کر سکتا ہوں کہ ایک عمدہ اور قادر الکلام شاعر کی تمام خوبیاں امتیاز صاحب موجود ہیں۔

☆☆☆

O

دیکھے تو کوئی گرمئ بازار تمنا
ہر شخص ہے غرق مئے سرشار تمنا
صد چاک ہوئے دل تو جگر ہوگئے ٹکڑے
نکلا نہیں سینے سے مگر خار تمنا
مل جاتا تیرے دستِ حنائی کا سہارا
گرنے کو ہے بس آج ہی دیوار تمنا
آتی رہی گلشن میں بہار اور خزاں بھی
پھولے ہی نہیں آج تک اشجار تمنا
ٹکراتے ہیں ہر سمت جہاں سنگ سلامت
لے جاتی ہے اس کوچے میں سو بار تمنا
تکمیل تمنا کی سزا ہم کو ملی ہے
زندانِ جہاں میں ہیں گرفتار تمنا
اک پل میں فلک پہ ہے تو اک پل میں زمیں پر
دیکھے تو کوئی شوخئ رفتار تمنا
ہر آرزو یاں خاک میں ملتی رہی ماہرؔ
نکلے گی وہیں جاکے اب اک بار تمنا

☆☆☆

O

ڈالی نظر کسی پہ نہ تیری نظر کے بعد
سجدہ کیا کہیں نہ ترے سنگِ در کے بعد
اب رہ گزر میں آبلہ پائی کا ہے مزہ
منزل ہو اپنی شاید اسی رہ گزر کے بعد
کہتے ہیں آسماں کو کہ حدِ نظر ہے یہ
اپنی نظر تو پہنچی ہے حد نظر کے بعد
منزل سے ہیں قریب کہ منزل سے دور ہیں
یہ فیصلہ تو ہوگا طلوع سحر کے بعد
اپنی خبر نہیں تھی تو دنیا کی تھی خبر
اب سب سے بے خبر ہوا اپنی خبر کے بعد
روداد غم کا اپنے بس اتنا اثر ہوا
ان کی بھی چشمِ تر تھی مری چشمِ تر کے بعد
یہ وقت ہے کہ جانبِ منزل بڑھے چلیں
لیں گے سفر کا جائزہ ختم سفر کے بعد
ماؔہر ہے دم سے آپ کے خمخانۂ غزل
ہے آپ ہی کا نام فراق و جگر کے بعد
☆☆☆

O

دل میں ہزار غم ہو مگر چشمِ تر نہ ہو
اس دردِ لا دوا کی کسی کو خبر نہ ہو

مایوس میری زیست سے اے چارہ گر نہ ہو
ایسی بھی کوئی شام ہے جس کی سحر نہ ہو

آئے اگر نہ تم تو نہ گزرے گی شام کیا
یہ اور بات ہے کہ سکوں سے بسر نہ ہو

ہوتا ہے نورِچشم سے ہی نورِچشم میں
نورِنظر کہاں ہو، جونورِنظر نہ ہو

ماؔہر فراقِ یار میں رونے کا کیا مزا
دامن وفورِ اشک سے گر تر بتر نہ ہو

☆☆☆

O

ہے مختصر سا وقت گزاریں کہاں کہاں
ایک زندگی ہے دوستو ہاریں کہاں کہاں

مہمان بن کے آئے ہیں یاس و غم و ملال
چھوٹا سا میرا دل ہے اتاریں کہاں کہاں

دل کو تو شوق شعلہ فشانی ازل سے ہے
دامن ہے اپنا تنگ پساریں کہاں کہاں

حق ہے کہ ہر ادا پہ تصدق ہو جان و دل
اک دل ہے ایک جان ہے واریں کہاں کہاں

اب تو خزاں کا دور ہے ماہرؔ بتاؤں کیا
گزری ہیں زندگی کی بہاریں کہاں کہاں

☆☆☆

O

وہ تن کی بات کرتے ہیں نہ من کی بات کرتے ہیں
فقط ہم گردشِ چرخِ کہن کی بات کرتے ہیں
گنوا کر بال و پر اب بال و پر کی بات کرتے ہیں
قفس میں بیٹھ کر صحنِ چمن کی بات کرتے ہیں
اشاروں پہ جنہیں رہبر کے چلنا ہی نہیں آتا
وہی رُک رُک کے خوفِ راہزن کی بات کرتے ہیں
جو واقف تک نہیں ہیں خونِ انسانی کی عظمت سے
وہ کیسے عظمتِ گنگ وجمن کی بات کرتے ہیں
کرامت کیا دکھائی ہے تمہاری ہوشمندی نے
یہ دیوانے اگر دیوانہ پن کی بات کرتے ہیں
شرابِ حبِ انسانی سے جو مخمور رہتے ہیں
وہ مستانے کہاں حب وطن کی بات کرتے ہیں
جو ہیں آشنائے لذّت تشنہ لبی ساقی
وہ میکش لذّت و کام و دہن کی بات ہیں
جنہیں راہ محبت میں قدم رکھنا نہیں آتا
تعجب ہے وہی دارو رسن کی بات کرتے ہیں
رہی باقی کہاں اب عزتِ علم و ہنر ماہر
کہ اب نا آشنائے فن بھی فن کی بات کرتے ہیں

☆☆☆

غفران الحق نظرؔ

کس زباں سے یہ کہوں کتنی ہے وقعت اس کی
رہنما جادہء ہستی میں ہے سیرت اس کی
اس کے دشمن کو بھی امید کرم تھی اس سے
کوئی کیا جانے کہ کیسی تھی عنایت اس کی
زندگی اپنی فقیرانہ بسر کرتا تھا
سارے عالم پہ اگرچہ تھی حکومت اس کی

اس نعتیہ کلام کے خالق جناب غفران الحق نظر صاحب ہیں۔ میری نگاہ میں نعت کی تعریف رسمی عقیدت مندی کا اظہار نہیں ہے۔ پیکر نبوت کے صوری محاسن کے بجائے مقصد نبوت، انسان کی کردار سازی اور آقائے دو عالم کی جملہ صفات کے ساتھ اس کو منظوم کرنا دراصل نعت کی تعریف ہے۔ مجھے یہ طرز بیان بہت پسند ہے۔ غفران الحق صاحب نے اپنی عصری نصابی تعلیم کو جس ماحول میں مکمل کیا ہے وہاں عظیم المرتبت شخصیت کے اوصاف وکمالات، فضائل وشمائل کا بیان کرنا معمولات میں شامل ہے۔ شعوری اور لاشعوری دونوں حالت میں ان اوصاف حسنہ کا آپ کے قلم سے منقول ہو جانا کوئی کمال نہیں ہے۔ کمال یہ ہے کہ یہاں شعوری کی پختگی کے ساتھ اظہار عقیدتمندی کے باوجود مقصد نبوت کا

پیغامی عکس صاف نظر آتا ہے۔

شاعری بلا شبہ جگر سوزی کا کام ہے ہر مضمون اس قدر پامال ہو چکا ہے کہ ہزار ذہنی تردد کے بعد جو چند اشعار باہر نکل کر آتے ہیں آپ کی ذہنی، فکری بالیدگی کے غماز ہوتے ہیں۔ میں نے مشاعرے میں غفران نظر کو جس انداز میں گویا ہوتے ہوئے سنا ہے مجھے ایسا لگتا ہے کہ آپ ایک عام مضمون کو بھی سلیقے سے برتنے کا فن جانتے ہیں۔ آپ صفتِ ذاتی اور فلسفہ طرازی کے حسین امتزاج سے اپنے شعور وفن کی داد وصول نہیں کرتے ہیں۔ آپ کی شاعری کا وصف زبان وبیان کی صفائی اور سادگی ہے۔ اس طرح یہ قاری کو کسی ذہنی اذیت و کلفت میں مبتلا ہونے سے بچا لیتے ہیں۔ نظر صاحب کی غزلوں میں واردات قلبی کے اظہار کے ساتھ ساتھ انسانی فطرت کا ظہور دلکش کیفیت میں نمایاں نظر آتا ہے۔

علمی لیاقت کے تعلق سے اگر دیکھیں تو غفران الحق صاحب حافظ قرآن ہیں اردو، فارسی نصاب سے فاضل، ایم اے، بی ایڈ کی سند حاصل کی ہے۔ اردو اور فارسی یہ دونوں مضامین میں نثر ونظم کے محاسن پر کافی بحث ہوتی ہے۔ ایک طالب علم کو سمجھنے اور برتنے، دونوں کا سلیقہ ایک عام فرد کے مقابلے زیادہ آسان ہو جاتا ہے۔ آپ کو طالب علمی کے زمانے سے لکھنے کا شوق ہے۔ پہلا مضمون ''پیام تعلیم'' دہلی سے 1981 میں شائع ہوتا ہے۔ تاریخ پیدائش کے حساب سے اس وقت آپ کی عمر 12 سال کے قریب ہوگی۔ دو سال بعد 1983 میں خاتون مشرق میں غزل کی اشاعت ممکن ہوتی ہے۔ آپ کی تاریخ پیدائش 20 نومبر 1969 محلّہ شیخانہ خرد بہار شریف کی ہے۔ بچپن سے آپ کی طبیعت ادب کی طرف مائل تھی شاید یہی سبب ہے آپ نے بطور مضمون اردو اور فارسی ادب کو نصاب کا حصہ بنایا اور نثر ونظم دونوں کا حق برابر ادا کیا۔ مجھے اخبار ورسائل پڑھنے کا موقع نہیں ملتا ہے اس وجہ سے موصوف کی زیادہ تر نثری تحریریں میری نگاہ سے اوجھل رہی ہیں بزم اتحاد میں اگر باضابطہ نثری نشست کا اہتمام کر دیا جائے تو یہ فیض عام دوآتشہ کا لطف دے جائے گا۔ میری یہ خاص گزارش جناب غفران نظر صاحب سے بھی ہے ابھی آپ بزم

اتحاد نالندہ کے جنرل سیکریٹری بھی ہیں۔نشست کے لحاظ سے ہر ناممکنات کوممکن بنانا آپ کے ہاتھ میں ہے۔غفران صاحب کے ادبی سفرنامے پر آپ جب نگاہ ڈالیں گےتو مختلف موقعے پر آل انڈیا ریڈیو کی نشریات سے آپ کے کلام نشر ہوتے رہے ہیں اور ساتھ ہی اخبار ورسائل کی ایک لمبی فہرست نظر آئے گی۔ جہاں کہانیاں،مضامین،غزلیات،قطعات مقالے متواتر شائع ہوتے رہے ہیں۔کھلونا،نور، الحسنات، دعوت، زبان وادب،قومی تنظیم،نقیب،راشٹریہ سہارا،وغیرہ یہ مشہور رسائل اور ماہنامے قابلِ ذکر ہیں۔اللہ نے ادبی خدمات کا ہر لحاظ سے موقع عنایت فرمایا ہے ملازمت کے حساب سے آپ ویر چند پٹیل ہائی اسکول رہوئی نالندہ میں اسسٹنٹ ٹیچر ہیں۔ان کی زندگی میں بزم سے ملازمت تک اور صحبت احباب کی چوکڑی تک ہر جگہ ادب برائے ادب کا ماحول خوش آمدید کہنے کے لیے تیار ہے ان کی فکری،فنی صلاحیت کو بروئے کار لانے میں اس ماحول کا بہت حد تک رول ہے۔ شاعری کی کامیابی کا دارومدار جہاں ماحول،مزاج مطالعہ پر منحصر ہے وہاں رموز ونکات کو سمجھنے کے لیے ایک ذی فہم استاد کی ضرورت ہوتی ہے آپ نے اطہر بلسوی،شین احمد فاطمی جیسے کامیاب سخن طراز اساتذہ سے باضابطہ مشورہ سخن کیا ہے۔خوبصورت کلام اور ادبی خدمات کے عوض کئی مرتبہ تعریفی وتوصیفی سند سے نوازا بھی گیا ہے۔اس وقت میں غفران نظر صاحب کی شاعری پر زیادہ بحث کرنے سے قاصر ہوں میرا مقصد صرف شعراء کے ادبی خاکے میں رنگ بھرنا ہے۔قارئین کی دلچسپی کے لیے عرض کر دوں کہ پروفیسر سجاد احمد صاحب نے آپ کی شاعری پر مفصل گفتگو کی ہے۔وہ مقالہ غفران صاحب کی ادبی،فنی صلاحیتوں کو زیادہ قریب سے سمجھانے میں کامیاب ہے۔

☆☆☆

یہ بزم اتحاد ہے

یہ بزم اتحاد ہے یہ بزم اتحاد ہے
ہے شادماں یہاں پہ سب ہے بغض نہ عناد ہے
یہ بزم اتحاد ہے
یہ بزم اتحاد ہے
نہیں تھی کوئی انجمن سسک رہا تھا یہ سخن
بٹھایا اس نے گود میں مجھے ابھی بھی یاد ہے
یہ بزم اتحاد ہے
یہ بزم اتحاد ہے
قلم اس کے دم سے ہے سخن اس کے دم سے ہے
کہ محفل سخن کا بس یہیں پہ انعقاد ہے
یہ بزم اتحاد ہے
یہ بزم اتحاد ہے
جو آگیا کبھی یہاں تو ہوگیا وہ کامراں
سبھی یہاں ہیں مہرباں یہاں نہیں فساد ہے
یہ بزم اتحاد ہے
یہ بزم اتحاد ہے

جو ہندیؔ آفتابؔ ہیں   صحیح ، لاجواب ہیں
ادب کا وہ وقار ہیں   نہیں کوئی تضاد ہے

یہ بزم اتحاد ہے
یہ بزم اتحاد ہے

جو اطہرؔ و وسیمؔ ہیں   وہ بزم کے نسیم ہیں
یہاں نہیں ہیں ظلمتیں   سخن میں انکے رعد ہے

یہ بزم اتحاد ہے
یہ بزم اتحاد ہے

جو ساکتؔ اورتنگ ہیں   بڑے ہی با امنگ ہیں
محافظِ سخن ہیں وہ   ادب کو اعتماد ہے

یہ بزم اتحاد ہے
یہ بزم اتحاد ہے

ہر ایک خوش بیان ہے   ہر ایک خوش گمان ہے
اس انجمن میں اب نظرؔ   ہر ایک فرد شاد ہے

یہ بزم اتحاد ہے
یہ بزم اتحاد ہے

☆☆☆

نذرِ مسلم ہندیؔ

(مسلم ہندی کے انتقال پر)

محفل میں اب وہ جام بڑھایا نہ جائے گا
اب وہ سبق خودی کا پڑھایا نہ جائے گا

مسلم رہا تو بن کے زمانے میں تاحیات
ہندیؔ ترا وجود بھلایا نہ جائے گا

گرچہ اجل نے دور کیا تجھ کو چشم سے
دل سے ترا خیال مٹایا نہ جائے گا

روشن سدا رہے گا تری بزم کا چراغ
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

احساس ہو رہا ہے چمن میں ہر ایک کو
گلشن میں تجھ سا پھول کھلایا نہ جائے گا

مغموم دل ہر ایک، پریشان ہر نظرؔ
قصہ ترا تو آج سنایا نہ جائے گا

☆☆☆

O

آنکھوں سے دور دل میں سمائے ہوئے تو ہیں
خوابوں میں ان کو اپنے بسائے ہوئے تو ہیں

بیشک وہ بے وفا ہیں، ستم گر ہیں، خود غرض
لیکن انہیں سے آس لگائے ہوئے تو ہیں

نفرت کی آندھیوں میں محبت کا اک چراغ
ہر رہ گزر پہ دیکھو جلائے ہوئے تو ہیں

ہم سے بھی پوچھئے تو ذرا حالِ دل حضور
آخر کسی کے ہم بھی ستائے ہوئے تو ہیں

مرضی ہے آپ کی کہ کریں کیا سلوک آپ
محفل میں ہم بھی آپ کی آئے ہوئے تو ہیں

نفرت تمہارے دل میں، جگر میں، نظر میں ہے
پھر بھی تمہیں کو اپنا بنائے ہوئے تو ہیں

☆☆☆

O

کلی اداس ہے پھولوں پہ بھی نکھار نہیں
کہ اس بہار کے موسم میں بھی بہار نہیں

خزاں کا خوف دلوں میں ہے اس قدر طاری
یہاں بہار کا موسم بھی خوشگوار نہیں

ہزار خواہشیں مدفون ہیں مرے دل میں
کہ میرے دل سے تو بڑھ کر کوئی مزار نہیں

گئے وہ دن کے زمانہ سلام کرتا تھا
اب اس جہاں میں ہمارا کوئی وقار نہیں

ابھی عروج پہ ہے اقتدار کا سورج
سدا رہے گا تمہارا یہ اقتدار نہیں

ہر ایک سمت یہاں نفرتوں کا عالم ہے
کسی کے دل میں محبت نہیں ہے پیار نہیں

عجیب حال ہوا ہے تمہاری محفل میں
مرے ہی دل پہ نظر میرا اختیار نہیں

☆☆☆

O

مشکل بھری تھی راہ مگر وہ گزر گئی
عزم سفر سے میرے تو مشکل بھی ڈر گئی

سارے زمانے کو تو خبر تھی مری مگر
افسوس ان کے پاس نہ میری خبر گئی

مہر و وفا کے گیت سناتی تھیں بلبلیں
جانے کہاں چمن کی وہ شام وسحر گئی

نفرت کی آندھیاں ہیں محبت کے شہر میں
کوئی بتائے ہم کو محبت کدھر گئی

عمر دراز کا تو بہت تذکرہ ہوا
عمر دراز کیا تھی جو پل میں گزر گئی

رہبر کا کچھ پتا تھا نہ منزل کا کچھ نشاں
تاریک راستے تھے جہاں تک نظر گئی

☆☆☆

تنویر ساکت

ابھی جہاں آپ مظفر دردائی، اطہر ہلسوی، بے نام گیلانی وغیرہ جیسی شخصیات سے ہمکلام ہو رہے تھے۔ ان کی عظمت، فضیلت مقبولیت، تدبر، کمال وفن کی داد لٹا رہے تھے۔ اس کے بعد جب آپ ان باکمال ہنرمند بزرگوں کے در سے ہٹ کر جائزہ لیں گے تو ایک نیا باب آپ کے خیر مقدم کے لئے کھلا ملے گا۔ یہاں طبیعت کو سرشار کرنے کے لئے ایک نیا آبشار ٹھاٹھیں مارتا ہوا ملے گا۔ ہزیمت، حزن وملال، انقلابی، احتجاجی، رومانی ہر زاویئے نگاہ سے ایک نئی کائنات پورے آب وتاب کے ساتھ فضیلت علمی کے موتی دامن میں سمیٹے ہوئے خوش آمدید کہتی ہوئی ملے گی۔ یہاں بزرگوں کی صحبت سے کشید کی گئی شراب ایک نئے کیف وسرور سے لطف اندوز کرتی ہوئی ملے گی۔ میں نے اس محفل کا خوب خوب لطف اٹھایا ہے۔ اور ابھی وہی جام جمشید تنویر ساکت کی شاعری کی صورت میں آپ کے حضور میں پیش کر رہا ہوں۔ بیک وقت غم جاناں، غم دوراں اور اس کی مؤثر تفسیر زندگی کو پیش کرنا زندگی کی وسیع تر حقانیت پر بحث کرنا آسان نہیں ہے یہ اردو شاعری کی با اثر اور معتبر آواز ہے۔ اور یہی خوبی آگے چل کر ایک شاعر کو کامیاب شاعر بنا دیتی ہے۔ میں نے جب کبھی تنویر ساکت کے مزاج وآہنگ کا مطالعہ کیا ہے۔ یہاں یہ کیفیت برابر نظر آئی ہے الفاظ کے پیچ وخم میں خوبصورت تشبیہ واستعارات کے ساتھ معمولی سے معمولی مضمون کو ادب کے سانچے میں ڈھال دینا اور اس دردِ دل کو زمانے کا درد بنا کر پیش کر دینا کمال

نہیں تو اور کیا ہے۔

پھول اپنوں کے لیے مانگ ضروری ہے مگر
دوسروں کے لیے کانٹا نہیں مانگا کرتے
جس کے مل جانے سے تاریک جہاں ہو جائے
ہم کبھی ایسا اجالا نہیں مانگا کرتے
مانگنے پر تری آنکھوں میں ہے سرخی کیسی
باپ بیٹے سے وظیفہ نہیں مانگا کرتے

میں نے تنویر ساکت صاحب کی شاعری سے چند نمونہ کلام صرف اس لیے پیش کیا ہے کہ آپ ان کے فکر وفہم کی داد دے سکیں ہر مضمون کی کیفیت کم وبیش یہی ہے۔ بیشک ابھی آپ کی شاعری ارتقائی مراحل کو طے کر رہی ہے۔ منزل دور سہی مگر منزل کا نشان آپ نے پالیا ہے۔

میں نے تنویر ساکت کو بزم اتحاد کے علاوہ کئی مشاعروں میں سنا ہے۔ یہ خوب کہتے ہیں اور بہت خوب کہتے ہیں۔ فن کی باریکیوں سے بھی واقفیت ہے۔ سنجیدہ شاعری کے علاوہ طنز ومزاح میں بھی قدرت حاصل ہے۔ مختلف قومی اور بین الاقوامی اخبارات و رسائل میں مقالے، انشائیے، غزلیں، نظمیں وغیرہ شائع ہوچکی ہیں۔ آل انڈیا ریڈیو، ٹی وی چینلس پر مختلف پروگراموں میں بارہا شریک رہے ہیں۔

تنویر ساکت کا پورا نام محمد تنویر عالم ہے۔ آپ کی پیدائش پہلی نومبر 1977 بہار شریف کی ہے۔ آپ کے والد کا نام محمد جمیل احمد ہے۔ شاعری میں تنویر عالم نے کس کی شاگردی اختیار کی یہ ذکر نہیں ملتا ہے۔ آپ نے شاعری کے لئے اپنا تخلص ساکتؔ اختیار کیا لیکن بزم اتحاد نالندہ میں بطورِ سکریٹری بہت فعال ہیں۔ ادبی سرگرمیوں کے لئے ضلع مجسٹریٹ نے کئی بار توصیفی سند سے بھی نوازا ہے۔ تعلیمی اعتبار سے تنویر عالم نے بطور مضمون

اردو میں ایم۔اے کی سند حاصل کی ہے۔ پرائمری اسکول سکونت کلاں بہار شریف میں آپ اسسٹنٹ ٹیچر کی حیثیت سے خدمت انجام دے رہے ہیں موسیقی اور کتب بینی خاص مشغلہ ہے۔ ہر اعتبار سے اللہ نے ادب کی خدمت کا موقع فراہم کیا ہے۔ہم آپ کے بہتر مستقبل کے لئے دعا گو ہیں۔۔

☆☆☆

فخرِ ہندوستان ہے اردو

پیار والی لسان ہے اُردو
دلنشیں خوش بیان ہے اُردو
چاشنی سے بھری ہوئی ہے تُو
خوب شیریں زبان ہے اُردو

علم و فن کا جہان ہے اُردو
فخرِ ہندوستان ہے اُردو

جنم تو نے لیا ہے بھارت میں
پہلے رہتی تھی ملکِ جنت میں
پریم چند بیدی و ولی خسرو
سب گرفتار تیری اُلفت میں

میر و غالب کی جان ہے اُردو
فخرِ ہندوستان ہے اُردو

صوفیوں نے تجھے سنوارا ہے
شہ جہاں نے دیا سہارا ہے
ہندوی ریختی کبھی دکنی
نام لے کر تجھے پکارا ہے

آج تک کامران ہے اُردو
فخر ہندوستان ہے اُردو

تجھ کو سرشار نے سجایا ہے
ذوق نے بھی گلے لگایا ہے
چاہے مسلم ہو سکھ ہو یا ہندو
سب نے دل میں تجھے بسایا ہے

جیسے گیتا قرآن ہے اُردو
فخر ہندوستان ہے اُردو

تو قصیدہ کبھی رُباعی ہے
مرثیہ نظم بن کے چھائی ہے
مثنوی، داستان، افسانہ
خوبصورت غزل سرائی ہے

فکر و فن کی اڑان ہے اردو
فخر ہندوستان ہے اردو

منقبت، نعت، حمد، قوالی
شاد و چکبست، اکبر و حالی
تیرا چہرہ فراق اور اقبال
تیرے دامن میں عید دیوالی

ساحرِ خوش بیان ہے اُردو
فخر ہندوستان ہے اُردو

عطر و صندل گلاب جیسی تو
خوش نما کوئی خواب جیسی تو
تیرے دشمن بھی ہیں ترے عاشق
چودہویں ماہتاب جیسی تو

تو ابھی تک جوان ہے اُردو
فخر ہندوستان ہے اُردو

☆☆☆

مجھے کچھ لوگ کہتے ہیں

مجھے کچھ لوگ کہتے ہیں
کہ تم جب آئے تھے ملنے
مرے گھر مدتوں پہلے
تو رونق لے کر آئے تھے
کئی گم سم سے چہرے کیلئے
تم مسکراہٹ کی
بہاریں لے کر آئے تھے
تمہاری گفتگو میں اُن دنوں
زندہ دلی تھی تب
ٹھہاکوں کی پُھہاریں تھیں
تبسم کے بھی چھینٹے تھے
سبھی بچے جواں بوڑھے
تمہارے گرد پھرتے تھے
کہ تم کچھ بول دو پھر سے
اسی امید پر تم کو

کبھی کافی پلاتے تھے
کبھی چائے کی چسکی سے
تمہارے لب کی جنبش کے لئے
ترکیب کرتے تھے
کہ کچھ پر لطف باتیں پھر کرو گے تم
بجھے ماحول میں پھر زندگی کے
رنگ بھرو گے تم
مگر اب کیا ہوا تم کو
بہت خاموش رہتے ہو
نہ جانے درد ہے کیسا
جسے چپ چاپ سہتے ہو
کہاں چہرے کی وہ سرخی
جو سب میں بانٹتے تھے تم
کہ جیسے ہر گھڑی تنہا
سبھی کے درمیاں ہو تم
تمہیں یہ کیا ہوا آخر
سزا سب کو ملی جس کی
نہ وہ محفل نہ رونق ہے
تبسم کی نہ دولت ہے
نہ بوڑھے مسکراتے ہیں
نہ بچے کھلکھلاتے ہیں
مجھے کچھ لوگ کہتے ہیں

مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا

کہاں تم کھو گئے آخر
چلے آؤ نہ پھر واپس
اسی انداز میں پھر سے
جو پہلے تھا، جہاں سب تھے
تمہارے منتظر ہیں سب
تبسم شادمانی اور وہ
زندہ دلی لے کر
چلے آؤ نہ پھر ساکتؔ

☆☆☆

O

ہاتھ سے یوں نکل گئی دنیا
تم گئے کیا بدل گئی دنیا

میری آنکھوں کو کھل گئی دنیا
مسکرائے تو جل گئی دنیا

باندھ پایا نہ کوئی مٹھی میں
ریت بن کر پھسل گئی دنیا

کیسا جادو تھا اس کی آنکھوں میں
رفتہ رفتہ پگھل گئی دنیا

ہر طرف سرکشی کا عالم تھا
پھر اچانک دہل گئی دنیا

دل نہ بہلا مرا کسی صورت
میرے کارن بہل گئی دنیا

حکم کرتی ہیں بیٹیاں ماں کو
کتنا آگے نکل گئی دنیا

آمد مصطفٰے کی برکت سے
گرتے گرتے سنبھل گئی دنیا

آسماں دیکھتا رہا بے بس
چاند تارے نگل گئی دنیا

نفس کا وہ غلام ہے ساکتؔ
جس کے سینے میں پل گئی دنیا

☆☆☆

O

زمیں میں بیج ہم بوتے ہیں صاحب
مگر بھوکے ہمیں سوتے ہیں صاحب
ہماری زندگی اک بوجھ ٹھہری
ہم اپنی زندگی ڈھوتے ہیں صاحب
حقارت اس قدر اچھی نہیں ہے
دلت بھی آدمی ہوتے ہیں صاحب
کچن کی کھڑکیوں کا رخ بدل دیں
مرے بچّے بہت روتے ہیں صاحب
ہزاروں گھر بنائے ہیں ہمیں نے
ہمارے گھر نہیں ہوتے ہیں صاحب
نہیں دھوتے کوئی درگاہ، مندر
ہم اپنی آتما دھوتے ہیں صاحب
نہ پھینکیں اس طرح ٹوٹے کھلونے
ہمارے کام کے ہوتے ہیں صاحب
ضعیفی اور ساکت تنگدستی
یہ دوہرا بوجھ ہم ڈھوتے ہیں صاحب

☆☆☆

O

طرفداری میں کیا کیا بولتا ہے
وہ قاتل کو مسیحا بولتا ہے

فسانے کو حقیقت کہہ رہا ہے
حقیقت کو فسانہ بولتا ہے

حکومت کے نشے میں چور ہوکر
حرم کو وہ شوالہ بولتا ہے

ضروری ہے بہت روشن خیالی
ترے گھر کا اندھیرا بولتا ہے

تو منکر ہے اگر سورج کا ہوجا
ارے پاگل اُجالا بولتا ہے

سنا ہے صاحبِ زر ہوگیا ہے
سنا ہے اب وہ اونچا بولتا ہے

نہیں کہتا کوئی ظلِ الٰہی
مگر پنجڑے کا طوطا بولتا ہے

وہ جب سے گاؤں کا مکھیا بنا ہے
مرے کھیتوں کو اپنا بولتا ہے

لگا رہتا ہے دھیان اُس کی طرف ہی
خلافِ حکم تنہا بولتا ہے

کوئی آواز دو ساکتؔ کو اب تو
سنا ہے شعر اچھا بولتا ہے

☆☆☆

مزاحیہ غزل

کام کرتے ہو حق دبانے کا
اور دکھاوا ہے پنچگانے کا
ختم ہے سلسلہ پڑھانے کا
صرف جھگڑا نئے پرانے کا
کم نہیں شوق پیر صاحب کو
واٹس ایپ فیس بک چلانے کا
بات کرتا ہے صرف وہ من کی
جیسے اڈہ ہو چائے خانے کا
نام لیں گے نہ بھول کر صاحب
اب کبھی بھی کنول کھلانے کا
گھومتا ہے وہ روز بائک سے
جس کے گھر میں نہیں ہے کھانے کا
لو ''جی ایس ٹی'' کا آگیا نوٹس
خواب دیکھا تھا گھر بنانے کا
جس سے گھر بھی نہ چل سکا ساکتؔ
کام اس کو وطن چلانے کا

☆☆☆

وسیم الحق اصغر نالندوی

بزم اتحاد نالندہ کے قیام سے قبل بہار شریف میں کئی ادبی تنظیمیں سرگرم عمل تھیں۔ خاص طور پر انجمن ترقی اردو بہار کی ماہانہ نشتیں ڈاکٹر اسری ارشد صاحب کی کلینک میں باضابطہ ہوا کرتی تھیں انجمن ترقی ردو کی ادبی نشستوں میں عمران راقم، اقبال فاروقی، نبی زاہدی، انعام الحق اختر، مطیع زاہدی، وسیم الحق اصغر نالندوی وغیرہ حضرات کی شرکت برابر رہا کرتی تھی۔ ادبی حلقوں میں ہر شخص ان ناموں سے باخوبی واقف تھا۔ مجھے بھی دو چار نشستوں میں شرکت کا موقع ملا اس وقت نہ مجھے شعر گوئی کی تمیز تھی اور نہ شعر فہمی کا سلیقہ تھا۔ مجھے جہاں تک خیال آتا ہے میری پہلی ملاقات وسیم الحق اصغر نالندوی صاحب سے انجمن کی کسی نشست میں ہوئی تھی۔ بزم اتحاد کے قیام کے بعد یہ سلسلہ دراز ہوتا گیا۔ میں نے جہاں تک اصغر صاحب اور ان کی شاعری کا مطالعہ کیا ہے۔ آپ بحیثیت انسان اور بحیثیت شاعر دونوں اعتبار سے قابل قدر ہیں۔ عام طور پر شعراء ثقیل الفاظ سوز ودرد، سحر انگیزی، تخیل کی اونچی اڑان میں شاعری کی گہری معنویت کو آشکار کرنا چاہتے ہیں مگر جب قاری ان کے کلام کا مطالعہ کرتا ہے تو ذہن اور سماعت دونوں کو اصلی معنویت سے کوسوں دور پاتا ہے۔ عام قاری کو مقصدیت و معنویت کے ساتھ سادہ زبان شیریں اسلوب اور صاف ستھرے الفاظ زیادہ متاثر کرتے ہیں اور اس فن سے اصغر صاحب کی شاعری بہت حد تک آشنا ہے اصغر صاحب کی آسان زبان معیاری لب و لہجے کی شاعری میں وضاحت وصراحت کی

ضرورت پیش نہیں آتی ہے۔آپ کی شاعری فنی وموضوعاتی دونوں سطحوں پر پرکشش اور اثر انگیز ہے۔

وہ منزل مراد کو پہنچے گا کس طرح
جو آدمی حالات کے تیور سے ڈر گیا
خواب گراں سے جاگ اٹھو اصغر حزیں
شب بھی تمام ہوگئی وقت سحر گیا

آپ نے غور کیا ہوگا یہ اشعار جہاں انسان کی کارکردگی، ذہن سازی اور راہ عمل کو متعین کرنے میں معاون و مددگار ہیں وہیں احساس غیرت مندی کو زندہ رکھنے میں فرد و ملت کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ میری نظر میں شعر گوئی بہت بڑا فن ہے اور شاعر ایک ایسا فنکار ہے جو اپنے ایک شعر میں پوری کائنات سمیٹ لیتا ہے۔صنف شاعری کے بالمقابل نثر کو یہ فوقیت حاصل نہیں ہے۔ پھر شاعری کا دامن اتنا وسیع ہے کہ جس مضمون کو آپ غزل میں سمیٹ نہیں سکتے وہ شاعری کی مختلف اصناف میں جگہ پا لیتے ہیں۔شاعری کی ایک مستقل صنف نظم بھی ہے۔میں نے جب اصغر نالندوی صاحب کی نظم کا مطالعہ کیا تو مجھے وہی خوبیاں نظم میں بھی نظر آئیں۔اس وقت میں راجگیر ،نالندہ، بہارشریف کے عنوان سے یہ تینوں نظموں کو پڑھ رہا ہوں۔غزل کے ساتھ ساتھ نظم میں بھی وہی جو ہر نظر آرہے ہیں اگر آپ ان نظموں کا مطالعہ بغور کریں گے تو صحت وسقم کے حساب سے غزل کے نسبت نظم میں قلم کی جولانیاں زیادہ نظر آئیں گی۔اصغر نالندوی اپنی اس روایت کے امین ہیں جو شاعری کی صورت میں والد بزرگوار جناب مائل بہاری سے آپ کو منتقل ہوئی ہے۔ جناب مائل بہاری صاحب ایک فطری شاعر تھے آپ کو بزم اتحاد سے کافی عقیدت تھی۔ مجھے موصوف کو سننے کا اتفاق بہت کم رہا ہے مگر مجھے جتنا بھی سماعت کا موقع ملا مجھے ہمیشہ ایسا لگا موصوف فن اور معیار دونوں کا خاص خیال رکھتے تھے۔جناب مائل بہاری صاحب کا انتقال بزم اور اہلِ بزم دونوں کے لیے ایک عظیم سانحہ تھا۔

اصغر نالندوی 7 جولائی 1966 کو محلّہ خانقاہ بہار شریف میں پیدا ہوئے۔آپ کو کمسنی میں ہی کتب بینی شعر و شاعری اور نثر نگاری سے رغبت پیدا ہوگئی تھی۔ باضابطہ 1980 سے اخبار و رسائل میں تخلیقات شائع ہونے لگیں۔آہستہ آہستہ آپ کے مضامین، غزلیات، نثر نگاری مختلف رسالے، ماہنامے کی زینت بننے لگے ان اخبار و رسائل کی ایک طویل فہرست ہے جہاں آج بھی آپ کے کلام پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں میں اس لمبی فہرست سے گریز کر کے اختصار کے طور پر چند مشہور رسائل کا ذکر رہا ہوں تا کہ آپ کو موصوف کے ادبی معیار کا اندازہ ہو سکے۔ ندائے اسلام، صدائے اسلام، اقرأ، یوجنا، پاسبان، قرطاس، صورت قومی تنظیم ایثار وغیرہ ایک اچھے فنکار کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ہر طرح فن کی خوبیوں اور خامیوں سے خود کو واقف کرائے۔آپ نے فنی نقائص اور معیار کی تسکین کے لئے باضابطہ جناب گوہر شیخپوروی اور محترم عظیم الدین عظیم صاحب سے فیض تلمیذ بھی حاصل کیا ہے۔ یہ ادب سے محبت کا ہی نتیجہ ہے کہ آپ نے اپنے نصاب تعلیم کی آخری سند بطورِ مضمون اُردو میں ایم اے پاس کر کے حاصل کیا ہے اور اس تقاضہ محبت نے ہمیشہ آپ کو مختلف علمی و ادبی تنظیموں سے وابستہ رکھا ہے۔آپ اس وقت بزم اتحاد نالندہ میں سکریٹری نشر و اشاعت کی ذمہ داری بخوبی نبھا رہے ہیں۔

☆☆☆

وطن کے لئے

زندگی وقف ہے اس چمن کے لئے
ہم مریں گے مٹیں گے وطن کے لئے

ہے وطن ایک دریا تو ماہی ہیں ہم
جس کو منزل پکارے وہ راہی ہیں ہم
بوئے گل نغمۂ صبح گاہی ہیں ہم
سرحدوں پر وطن کے سپاہی ہیں ہم

زندگی وقف ہے اس چمن کے لئے
ہم مریں گے مٹیں گے وطن کے لئے

ہم سے گلزار ہے یہ دیار وطن
ہم بڑھائیں گے مل کے وقار وطن
رشکِ فردوس ہے لالہ زار وطن
جان چھڑکیں نہ کیوں جاں نثار وطن

زندگی وقف ہے اس چمن کے لئے
ہم مریں گے مٹیں گے وطن کے لئے

جال میں نہ پھنسیں گے سیاست کے ہم
بیج بونے نہ دیں گے عدوات کے ہم
دیپ ہر سو جلائیں گے چاہت کے ہم
گائیں گے یوں ترانے محبت کے ہم

زندگی وقف ہے اس چمن کے لئے
ہم مریں گے مٹیں گے وطن کے لئے

دیپ الفت کا مل کر جلائیں گے ہم
دل سے کینہ کدورت مٹائیں گے ہم
ہر برائی سے دامن بچائیں گے ہم
گیت امن و اماں کا سنائیں گے ہم

زندگی وقف ہے اس چمن کے لئے
ہم مریں گے مٹیں گے وطن کے لئے

خوابِ غفلت سے اصغؔر جگانا بھی ہے
پرچمِ عزم ہم کو اٹھانا بھی ہے

لطفِ آزادی ہم کو اٹھانا بھی ہے
دُشمنوں کو ہمیں آزمانا بھی ہے

زندگی وقف ہے اس چمن کے لئے
ہم مریں گے مٹیں گے وطن کے لئے

☆☆☆

اُردو

اک سرور و کیف و مستی کا جہاں اُردو میں ہے
کس قدر لذّت میری پیاری زباں اُردو میں ہے
شاعر مشرق کا یہ ہندی ترانہ ہے گواہ
دیش کا ہر اک مغنی نغمہ خواں اُردو میں ہے
اس نے ہی نعرہ دیا ہے زندہ باد و انقلاب
روشن آزادی کا اک شعلہ فشاں اُردو میں ہے
اس کے دیوانے بھگت سنگھ، بسمل و ساحر، فراق
اتحاد ملک و ملت کا نشاں اُردو میں ہے
ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی اس کے زلفوں کے اسیر
حسن کی وہ انجمن آرائیاں اُردو میں ہے
یہ زباں پھولی پھلی اصغرؔ اسی گلزار میں
ہند کی تہذیب کا چشمہ رواں اُردو میں ہے

☆☆☆

حسین ہیں

انسانیت کے سانچے میں ڈھالے حسین ہیں
پیارے نبی کے لاڈ کے پالے حسین ہیں

ہمت ہے حوصلہ ہے تحمل ہے صبر ہے
ہم کو ابھی بھی دیکھو سنبھالے حسین ہیں

رنجیدہ جن کے قتل سے عرش عظیم ہے
حق کی سلامتی کے حوالے حسین ہیں

جن کی شعاع پاک سے روشن ہے کائنات
وہ چشمِ فاطمہ کے اجالے حسین ہیں

لشکر یزیدیوں کے ہوئے بے پناہ یوں
راہِ بقا میں دین سنبھالے حسین ہیں

اصغؔر کو بھی ہے شوقِ شہادت یہ دیکھئے
دینِ متیں کے ہم بھی جیالے حسین ہیں

☆☆☆

O

فکر کی آغوش میں وہ کروٹیں لیتا بدن
چاند کے جیسا چمکتا خوشنما تیرا بدن
جلوہ گاہِ ناز ہے اک منظرِ خوش رنگ ہے
ہر ادامیں اک ادا ہے تیرا شرمیلا بدن
دعوتِ نظارہ دیتا ہے نگاہِ شوق کو
تاج کے جیسا حسیں ہے مرمریں تیرا بدن
وجہہ تسکینِ جگر تیرا سراپا دلنشیں
ہے ہمارے واسطے اک بے بہا تحفہ بدن
مشک بو کرتی ہو ہر ذہن ودل کی وادیاں
خوشبوؤں میں ہے بسا یہ پھول کے جیسا بدن
تجھ سے ہی بزمِ محبت پرُ فضا پرُ نور ہے
نغمۂ شعرو سخن بادۂ نظر غنچہ بدن
چھوڑ کر تجھ کو سکوں پائے گا کیسے یہ وسیمؔ
دل کی دھڑکن نور آنکھوں کا لگے پیارا بدن

☆☆☆

O

چمن میں آج ویرانی بہت ہے
سکوں ہے کم پریشانی بہت ہے
آوارہ تتلیاں کیسے اڑیں گی
فضائے دہر شیطانی بہت ہے
تیری یادوں نے بخشے ہیں اجالے
خوشی کی جلوہ سامانی بہت ہے
بہاروں نے سنائے گیت مجھ کو
نوائے دل میں جولانی بہت ہے
مجھے کیا نغمۂ بلبل سے لینا
مجھے تو غم کی سلطانی بہت ہے
وہی گفتار کے غازی بنیں گے
کشادہ ان کی پیشانی بہت ہے
کھلونے توڑ نہ ڈالیں یہ بچے
ابھی بچوں میں نادانی بہت ہے
انوکھی بات کوئی ہوگئی ہے
ہر اک چہرے پہ ویرانی بہت ہے
قفس میں قید رکھیں گے سبھوں کو
میاں اصغؔر کی من مانی بہت ہے
☆☆☆

تنگؔ ایوبی

آپ کا پورا نام محمد نقی حسن ایوبی ہے۔ ادبی حلقے میں محمد نقی حسن ایوبی نے خود کو تنگ ایوبی کے نام سے متعارف کیا۔ تنگ ایوبی کی پیدائش 12 دسمبر 1975 کو محلّہ چھجو بڑی اڑان بہار شریف میں ہوئی۔ آپ کے والد مہدی حسن ایوبی صاحب کامیاب شاعر تھے۔ مہدی دیپ نگری کے نام سے نشست، مشاعرہ، اخبار و رسائل میں آپ کی تخلیقات قارئین کی توجہ کا مرکز رہیں ہیں۔ بزم اتحاد کے ابتدائی دور میں مجھے سماعت کا موقع ملا ہے۔ ایک کامیاب شاعر کی ساری خوبیاں مہدیؔ دیپ نگری صاحب کے کلام میں موجود تھیں۔ بیشک مہدی صاحب کے انتقال کے بعد تمام وراثت کی تقسیم ورثاء میں کر دی گئی ہو مگر شاعری کی وراثت جناب تنگ ایوبی کے حصے میں آئی ہے۔ آج بھی اس وراثت کی حفاظت آپ دل و جان سے کر رہے ہیں۔ آکاش وانی پٹنہ کی اردو نشریات سے تنگ ایوبی مخصوص موقع پر کلام شاعر کے تحت نشر ہوتے رہتے ہیں۔ اردو اخبار و رسائل میں بھی آپ کی تخلیقات شائع ہوتی رہی ہیں۔ کئی بار ادب کی خدمت کے نتیجے میں ڈی ایم نالندہ نے توصیفی اسناد سے بھی نوازا ہے۔ علمی لیاقت کے حساب سے مذہب کی ابتدائی تعلیم مدرسہ قومیہ بہار شریف میں مکمل کی اور پھر کہیں جا کر اسکول و کالج کا رخ کیا مختلف مدارج کو طے کرتے ہوئے تنگ ایوبی نے اپنی عصری تعلیم کی آخری سند جغرافیہ فرسٹ کلاس ایم ایس سی میں مکمل کر کے حاصل کی۔ اس وقت آپ پرائمری اسکول میں ہیڈ ماسٹر ہیں۔

مفاد اپنا نہیں ہے مجھ کو پیارا
میں اوروں کی بھلائی چاہتا ہوں
نہیں درکار تیرے چند سکے
میں بازوں کی کمائی چاہتا ہوں

تنگ ایوبی کی شاعری میں کوئی فلسفہ کوئی چونکا دینے والی بات تو نہیں ہے۔ ہاں اپنی خودی اور خودداری کا اعلان ہے۔ یہ زبان و بیان پر اس قدر ماہرانہ قدرت نہیں رکھتے کہ الفاظ کے پیچ وخم میں قلابازی لگائی جائے مگر جذبات واحساسات کی ترجمانی جس سادہ و سہل زبان میں کرتے ہیں۔ اس انداز پر بیساختہ داد دینے کو دل چاہتا ہے۔ ایک شاعر کا سب سے بڑا کمال یہ بھی ہے کہ وہ وارداتِ قلبی کو آسان اور عام فہم زبان میں قاری تک پہنچا دے اور اس فن میں تنگ ایوبی بہت حد تک کامیاب ہیں۔ آپ کی شاعری کا دائرہ صرف سنجیدہ شاعری تک محدود نہیں ہے۔ جب آپ طنز ومزاح میں تیر ونشتر کی بارش کرتے ہیں تو محفل قہقہ زار بن جاتی ہے۔ آپ کا طنز ومزاح پھوہڑ پن کی جگہ صحت منداد ب کی علامت ہے۔ آپ ادھر مستقل طنز ومزاح میں قطعات کی صورت میں معاشرے کا درد بیان کرر ہے ہیں آپ کی شاعری طنز ومزاح میں بھی حالات حاضرہ کی تصویر پیش کرتی ہے۔ فی الحال میں آپ کے بہتر مستقبل کا متمنی ہوں۔

☆☆☆

نعت شریف

آپ کی شخصیت آپ کی زندگی
آپ کی ہر ادا آپ کا حسن بھی
روشنی، روشنی، روشنی، روشنی

پیرہن آپ کا خوشبوؤں سے بھرا
جو ملا آپ سے آپ کا ہو گیا
آپ گذرے اگر تو معطر ہوئی
ہر گلی، ہر گلی، ہر گلی، ہر گلی

جو کہا آپ نے رب نے مانا اسے
آپ کا قول برحق سدا کے لئے
آپ کی بات میں ہم نے پائی بڑی
دلکشی، دلکشی، دلکشی، دلکشی

آپ رحمت ہیں سارے جہاں کے لئے
اس زمیں کے لئے آسماں کے لئے
آپ کی رہنمائی سے سب کی بنی
زندگی، زندگی، زندگی، زندگی

فکر امت ستاتی تھی شام و سحر
ہم کو بھولے نہیں جب گئے عرش پر
آخری وقت بھی کہہ رہے تھے یہی
امتی، امتی، امتی، امتی

چل پڑا نعت گوئی کا جب سلسلہ
جھوم اٹھے تنگؔ یاں عاشق مصطفیٰ
دھیرے دھیرے یہاں سب پہ چھانے لگی
بے خودی، بے خودی، بے خودی، بے خودی

☆☆☆

O

نہیں آنا بہانہ ہوگیا ہے
کہ واقف اب زمانہ ہوگیا ہے
وہی سکے کی قیمت آج بھی ہے
بلا سے وہ پرانا ہوگیا ہے
تیری دنیا سمٹتی جا رہی ہے
کہ تو خود میں دیوانہ ہوگیا ہے
ذرا آکر چمن کو دیکھ لے تو
کہ منظر اب سہانا ہوگیا ہے
نہیں رکھتا ہے رشتہ اب کسی سے
بھلا کیسا گھرانہ ہوگیا ہے
تمھاری عقل تو گم ہوگئی ہے
خرد سے تو بیگانہ ہوگیا ہے
ادب میں کیا لگائے گا کمائی
ادب سے ہی کمانا ہوگیا ہے
سمجھتے ہو جسے نادان تم بھی
بہت حد تک سیانہ ہو گیا ہے
اسے تنگ یاد اتنا آرہا ہوں
کہ مشکل اب بھلانا ہوگیا ہے

☆☆☆

O

دیر سے تشریف لانا ہے گناہ
اور کرنا پھر بہانہ ہے گناہ

عورتوں کو حکم ہے گھر میں رہیں
بے وجہ گھر سے بھی جانا ہے گناہ

خود بھی پینا بات ہے اچھی نہیں
دوسروں کو بھی پلانا ہے گناہ

اپنی دولت کو غنیمت جانئیے
موج مستی میں اڑانا ہے گناہ

جن گھروں میں سود کی بو باس ہو
ان گھروں میں جا کے کھانا ہے گناہ

ہو سکے تو ضبط کر خاموش رہ
سچ زمانے کو بتانا ہے گناہ

تنگؔ نیکی کر مگر خاموش رہ
ڈھول نیکی کا بجانا ہے گناہ

☆☆☆

O

تہذیب کا بدلا ہوا ڈھب دیکھ رہا ہوں
بچوں کی تباہی کا سبب دیکھ رہا ہوں

جس گھر کی دیا کرتے تھے کل لوگ مثالیں
اس گھر کو مگر آج عجب دیکھ رہا ہوں

تپتے ہوئے صحرا سے گزر جاتا ہوں لیکن
انسانوں کی گرمی میں غضب دیکھ رہا ہوں

ہر سمت گلابوں کے نظارے ہیں مسلسل
محبوب کے نازک سے جو لب دیکھ رہا ہوں

اجداد نے چھوڑی تھی جو نایاب نشانی
لٹتے ہوئے میں آج وہ سب دیکھ رہا ہوں

ہر بار بناتا ہوں بلندی پہ نشیمن
بجلی کی کڑک میں بھلا کب دیکھ رہا ہوں

اب قدر کہاں تنگؔ تیرے فن کی جہاں میں
بازار میں بکتا ہے ادب دیکھ رہا ہوں

☆☆☆

مزاحیہ غزل

اتنی بھی یار شہرت مجھ کو خدا نہ دے
می ٹو میں کوئی دیوی مجھکو پھنسا نہ دے
مانا نہیں اجازت اپنے بہار میں
لے جا کے جھارکھنڈ میں کوئی پلا نہ دے
لے کر چلے ہو لوٹا میدان کی طرف
مکھیا بلا کے تم کو کوئی دھرا نہ دے
بارات میں تمھاری شامل جو ہیں دروغہ
تلک کی بات دیکھو لڑکی بتا نہ دے
بیٹا گیا ہے میرا اسکول میں تمھارے
کھچڑی وہاں کی اسکو کوئی کھلا نہ دے
میں گھر میں دوستوں کو بلاتا نہیں کبھی
بیگم کو میرا قصہ کوئی بتا نہ دے
ڈر ڈر کے جی رہا ہے پڑھائے گا کیا بھلا
ٹیچر کو لگ رہا ہے کوئی پھنسا نہ دے
مونچھوں کو تنگ کرکے آیا ہے تنگ دیکھو
محفل میں پھر یہ ہٹلر دیکھو ہنسا نہ دے

☆☆☆

مزاحیہ غزل

ہونے لگا ہے اب مرے سر میں کھچڑ کھچڑ
دن رات ہو رہا ہے جو گھر میں کھچڑ کھچڑ

رکھ لیتے ہو جہیز کا سامان بے شرم
کرتے ہو مگر دینے مہر میں کھچڑ کھچڑ

گاؤں کے دو گٹوں میں تفرقہ جو ہو گیا
پانی کے واسطے ہے نہر میں کھچڑ کھچڑ

دنگا فساد ہوتا ہے ٹی وی پہ آج کل
ملتی ہے دیکھنے کو خبر میں کھچڑ کھچڑ

مصروف بہت رہتے ہیں گرچہ یہاں کے لوگ
ہوتا مگر ہے روز شہر میں کھچڑ کھچڑ

بیگم کے ساتھ تنگ تو نکلا تھا گھومنے
لیکن رہی وہ کرتی سفر میں کھچڑ کھچڑ

☆☆☆

محمد ظفر فردوسی شیخپوروی

میں ظفر فردوسی شیخپوروی صاحب سے اس وقت سے واقف ہوں جب میری حیثیت ایک شاعر سے زیادہ سامع کی تھی۔آج بھی میں خود کو ایک شاعر سے بہتر سامع گردانتا ہوں لیکن ظفر فردوسی کا فنی معیار روز افزوں ترقی کی بلندی کو سر کر رہا ہے۔ ہر مشاعرے میں آپ ان کی ایک خوبصورت غزل سے روبرو ہورہے ہیں۔آپ کی شاعری میں محنت،مطالعہ،ماحول کا بڑا دخل ہے۔ظفر فردوسی صاحب کا آبائی وطن اور جائے پیدائش دونوں شیخ پورہ مونگیر ہے۔اور یہاں کی سرزمین ادب کے لحاظ سے کافی زرخیز بھی ہے یہاں ادب کی تفہیم وتشریح، تجزیہ نگاری اہلِ علم و اہلِ نظر کا موضوع رہا ہے۔اسی طرح دوسری طرف عوام میں شعروسخن کا چرچہ عام بات ہے ایسے ماحول میں کوئی بھی شخص زبان وادب سے نا آشنا ہو ہی نہیں سکتا۔اس طرح آہستہ آہستہ ایک بہترین سامع کب شاعر کی صف میں کھڑا ہو جاتا ہے پتہ ہی نہیں چلتا۔اس ماحول کی سحر انگیزی نے سب سے پہلے آپ کے بڑے بھائی صفدر حیات صاحب کو متاثر کیا۔صفدر حیات صاحب نے وہاں کے اثرات کو کمسنی میں قبول کیا اور قبل از وقت صفدر حیات صاحب کا شمار کہنہ مشق شعراء میں ہونے لگا۔ ظفر صاحب کی دینی اور عصری دونوں تعلیم اردو میڈیم سے ہوئی ہے ان کی طبیعت پر اس ماحول کا گہرا اثر ہونا لازمی تھا۔جذبات واحساسات کی ترجمانی کے لئے الفاظ کی تراش خراش شروع ہوگئی تھی۔جذبات اشعار کے قالب میں ڈھلنے لگے تھے کلام کی اصلاح کا

مسئلہ کوئی دشواری کی بات نہیں تھی۔صفدر حیات صاحب کی موجودگی نے وہ کمی پوری کر دی۔ رفتہ رفتہ شعر کے حسن اور معنی کی وسعت، خوبصورت لفظوں کی تراکیب شعراء کے کلام کے مطالعے نے سکھا دی۔ادبی تحریک نے ذہن کو جلا بخشا، عشق و محبت کی روداد، جینے مرنے کی قسمیں، اور مسائل کی گتھیاں، آپ نے زندگی کے مطالعہ و مشاہدہ سے اخذ کرلیا۔میں جس ظفر فردوسی کو جانتا ہوں آج ان کی شاعری فن کے معیار پر بہت حد تک پوری اترتی ہے۔ جب آپ سحر انگیز ترنم کے ساتھ غزل سرا ہوتے ہیں تو حاضرین پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ان کی غزلوں کی ایک منفرد کیفیت ہے جہاں سوزش پنہاں، درد وغم ایک منفرد ذائقے کے ساتھ آپ کو لطف اندوز کرتا ہے۔

مونس ہے نہ غم خوار ہے تنہائی فقط ہے
میں جرم محبت کی سزا پا تو رہا ہوں
اس بات سے کچھ اور ہی ڈر لگتا ہے مجھ کو
جب کہتے ہیں وہ تیری قسم کھا تو رہا ہوں

آج زندگی مختلف قسم کے تضاد کا شکار ہے ہم بنیادی مسائل کو اپنا موضوع کیوں نہیں بناتے۔فکری طور پر جو کچھ ہم لکھ رہے ہیں کیا وہ وقت کی بربادی نہیں ہے۔اردو شعراء پر ایک بڑا الزام یہ بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی پوری توانائی عشق و محبت ہجر و وصال کے مضمون پر ضائع کرتے ہیں اس کی وجہ ان کے مطالعے کی کمی بتائی جاتی ہے۔ بیشک ہمیں ایسے مسائل کو شاعری کا موضوع بنانا چاہیئے۔کسی حد تک ہم رومان پرور خیال سے باہر آ چکے ہیں۔لیکن میں اس خیال کی تردید کرتا ہوں کہ یہاں مضامین کی کمی ہے۔ بالکل کمی نہیں ہے بلکہ یہ رومانی کینوس اتنا وسیع ہے کہ ہر خیال اس کی وسعت میں سما جاتا ہے۔ مضمون کوئی بھی ہو اس وسیلۂ اظہار کا محتاج ہے۔اس لئے ظفر صاحب کی شاعری بھی اس اطراف میں گردش فرما ہے۔لیکن یہاں ایسے اشعار بھی نظر آتے ہیں جس میں جوش، ولولہ حوصلہ، نصیحت، دردمندی کا پہلو نمایاں ہے۔

بیدار ہوکے اپنا مقدر جگا لے یار
کب تک رہے گا سویا تو خواب گراں کے ساتھ
سر سبزہ شجر ہوں مجھے اس طرح نہ کاٹو
میں دھوپ میں سر پہ تیرے سایہ تو رہا ہوں

اگر آپ ظفر فردوسی صاحب کی ذاتی زندگی کا مطالعہ کریں گے تو آپ کافی دنوں سے بزم سے منسلک ہیں حالیہ سوینیر شعراء نالندہ میں آپ کا تعارفی خاکہ اور کلام دونوں شائع ہو چکا ہے طرحی و غیر طرحی نشست میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ بفضل خداوندی مذہبی اعتبار سے حافظ و عالم ہیں اور یہ سند آپ نے الجامعۃ الفاروقیہ اعظم گڑھ گھوسی اتر پردیش سے حاصل کی ہے۔ ساتھ ہی مگدھ یونیورسٹی سے بی اے اردو آنرس مکمل کیا۔ آپ کے والد مولوی ڈاکٹر محمد معین الدین صاحب ہائی اسکول سہوڑہ ضلع جموئی میں ہیڈ ماسٹر تھے۔ ظفر صاحب تقریباً 16 سال سے جامع مسجد راجگیر مخدوم کنڈ میں امامت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

☆☆☆

O

کچھ ایسے کھیل کھیلے وہ مجھ بے زباں کے ساتھ
رشتہ بدن کا ختم ہوا میری جاں کے ساتھ

دیوار صحن میں نہ اٹھی اس خیال سے
تقسیم ہو نہ جائے محبت مکاں کے ساتھ

بیدار ہو کے اپنا مقدر جگا لے یار
کب تک رہے گا سویا تو خوابِ گراں کے ساتھ

رخ بجلیوں نے موڑ لیا سوئے نشیمن
کتنا ہے ان کو پیار میرے گلستاں کے ساتھ

اس تنگ و تار کمرے میں کیسے رہیں گے وہ
ان کو تو ہے لگاؤ کھلے آسماں کے ساتھ

چھوڑا جو تم نے ساتھ تو نقصان کیا ہوا
تم بے اماں کے ساتھ ہو ہم الاماں کے ساتھ

کل تک نہ جانتا تھا کوئی مجھکو بھی ظفرؔ
مشہور ہوگیا ہوں تری داستاں کے ساتھ

☆☆☆

O

ہر سنگ دل کو آئینہ دکھلا تو رہا ہوں
کچھ کھو بھی رہا ہوں یہاں کچھ پا تو رہا ہوں

جینا ہے مجھے اب کسی یادوں کے سہارے
اس دل کو بڑی دیر سے سمجھا تو رہا ہوں

میں وادئ گلشن کا اک پھول ہوں تنہا
یوں خار کے پہلو میں بھی مسکا تو رہا ہوں

سر سبزہ شجر ہوں مجھے اس طرح نہ کاٹو
میں دھوپ میں سر پہ تیرے سایہ تو رہا ہوں

مونس ہے نہ غم خوار ہے تنہائی فقط ہے
میں جرمِ محبت کی سزا پا تو رہا ہوں

اس بات سے کچھ اور ہی ڈر لگتا ہے مجھ کو
جب کہتے ہیں وہ تیری قسم کھا تو رہا ہوں

میں نے کہا جو ملک کی خاطر دکھا دیا
کیا کم ہے ظفؔر دار پہ سچا تو رہا ہوں

☆☆☆

O

پہرہ لگے گا حسن پہ جس دم نقاب کا
عالم عجیب ہوگا دل اضطراب کا

ڈالی سے ٹوٹ کر جو گرا اس کا کیا حساب
اب کون پوچھے زرد سا چہرہ گلاب کا

کرتا ہے خود اپنا ہی انساں محاسبہ
ہر ایک روز و شب ہے حسا ب و کتاب کا

نازاں عروج پہ نہ ہوا ہے حسین وقت
ڈھل جائیگا ضرور یہ اک دن شباب کا

یہ خیر و شر ضرور ہے اک مصلحت جناب
اس سے جواز ملتا ہے اچھے خراب کا

یہ گونجتا رہے گا زمانے میں چار سو
نارہ جو تم کو ہم نے دیا انقلاب کا

کہتا رہے زمانہ برا تو کہے ظفرؔ
دھندلا نہ ہوگا چہرہ کبھی آفتاب کا

☆☆☆

O

یارب میری طرح سے کسی کا برا نہ ہو
غربت ہو رنج وغم کا کبھی سامنا نہ ہو

ناکام ہی رہیں گی ہر اک کوششیں تمام
جب تک خدا کی ذات پہ ہی آسرا نہ ہو

جو پھول توڑتے ہیں یہ ممکن نہیں کبھی
انگلی میں ان کی آج تک کانٹا چبھا نہ ہو

بیمار کو وہ دیکھنے آئے زہے نصیب
بس اس دعا کے بعد اب کوئی دعا نہ ہو

یادوں سے تیری محفلِ تنہائی سج گئی
پھر مجھ کو تیرے ہجر کا کیسے گلہ نہ ہو

میں ہوں تیرے لئے ہی تو ہے میرے لئے
اس فیصلے کے بعد کوئی فیصلہ نہ ہو

رکھیں گے یاد اہلِ وفا کیوں نہیں ظفؔر
ممکن نہیں کہ بعد ترے تذکرہ نہ ہو

☆☆☆

ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن جعفری

اگر آپ اخبار و رسائل کا پابندی سے مطالعہ کرتے ہیں اور زبان وادب سے آپ کی دلچسپی ہے تو یہ نام آپ کے لئے محتاج تعارف نہیں ہوگا بقول غفران الحق نظر صاحب یہ موجودہ دور میں بچوں کے لئے اسمٰعیل میرٹھی کا درجہ رکھتے ہیں۔ زبان وادب میں آپ کی کیا کیا کارکردگی ہے اس پر اس مختصر سے مضمون میں روشنی ڈالنا ہمارے لئے ذرا مشکل ہے میں آپ کے کارنامے پر اس مختصر مضمون میں بحث کرنے سے قاصر ہوں۔ ہاں یہ ضرور کہوں گا بزم اتحاد کے چند شعراء نے جو ادھر مجھے کافی متاثر کیا ہے اس فہرست میں یہ نام سر فہرست ہے۔ میں جب کبھی کوئی رسالہ یا میگزین مطالعہ کی غرض سے اٹھاتا ہوں تو میرے دل میں ایک دبی خواہش یہ بھی رہتی ہے کہ کاش آپ کی تخلیق کو پڑھنے کا موقع مل جائے۔ کبھی کبھی میں آپ کے کلام پر منظوم داد بھی دیدیا کرتا ہوں۔ شعر موزوں کرنا میرے بس میں تو نہیں ہے لیکن جب میں تصور میں ان کے چہرے پر ایک شگفتہ سا تبسم محسوس کرتا ہوں تو مجھے اپنی اس حرکت سے قلبی سکون کا احساس ضرور ہوتا ہے۔ میرے خیال میں ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن جعفری صاحب کو آپ مجھ سے زیادہ قریب سے جانتے ہیں۔ تمہیدی طور پر مجھے آپ کی ذاتی زندگی پر گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں تھی مگر یہاں مضمون کا تقاضہ یہی ہے کہ میں آئندہ کے لئے ہر وہ معلومات کو محفوظ کردوں جو کسی بھی ذرائع سے باہم مجھ تک پہنچائی گئی ہیں۔

ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن جعفری 10 جنوری 1978 کو بیگو سرائے کے بھوانند پور قصبے میں پیدا ہوئے۔ آپ پر قدرت اس قدر مہربان تھی کہ آپ کو ایک عام طالب علم کے خانے سے اٹھا کر مخصوص خانے میں رکھدیا۔ اللہ نے انہیں ہر اس خوبی سے نوازا جو ایک ہونہار طالب علم کو زمانے میں کامیاب و کامران بنا سکتی ہیں۔ آپ جب ابتدائی تعلیم کے مدارج سے فارغ ہوئے تو آپ نے عصری تعلیم کو صرف مختلف اسناد کو جمع کرنے کا ذریعہ نہیں بنایا اپنی علمی صلاحیت میں اضافہ بھی کیا اور ساتھ ہی اپنی معیار زندگی کو بلند کرنے اور معاشرے کی فلاح بہبود کو اپنی زندگی کا حدف بھی بنایا۔ میں آپ کی عمر اور ان ڈگریوں کی فہرست کو دیکھ کر حیران ہوں کہ خدا نے آپ کو کون سا دماغ ودیعت فرمایا ہے کہ آپ نے اس قدر ڈگریوں کو جمع کرلیا ''متھلا یونیورسٹی'' دربھنگہ سے بی ایڈ اور ہندی زبان وادب میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد سے انگریزی زبان میں ایم اے اور صحافت کا کورس پورا کیا۔ اور کرناٹک یونیورسٹی میسور سے ایم اے ایجوکیشن کی تعلیم مکمل کی۔ اس طرح یہ تعلیمی سفر یہاں پڑاؤ نہیں ڈالتا ہے اس کے بعد بھی ڈاکٹر جعفری نے یو جی سی نیٹ کوالیفائی کیا اور آج وہ مرزا غالب کالج گیا میں ہندی کے اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔ اللہ نے آپ کی قسمت پر ایک شاندار مستقبل کے سارے دروازے بلا روکاوٹ کھول دیئے ہیں۔ کاش ان کی علمی صلاحیت ہماری قوم کے افراد کے لئے کام آسکے۔ میری ملاقات جب کبھی بھی ڈاکٹر جعفری صاحب سے ہوئی میں ہمیشہ آپ کی شخصیت کا قائل ہوکر اٹھا ہوں۔ آہستہ آہستہ آپ نے تکلف کی ہر دیواری درمیان سے ہٹا دی ہے۔ ادب کے اعتبار سے مجھے اردو زبان کی کچھ شدبد تو ہے مگر ہندی زبان وادب سے میں بالکل نابلد ہوں اکثر ہندی اخبار ورسائل میں آپکی تحقیقی تخلیقات نظر آتی تھیں تو میں اپنی کم علمی کے سبب کوئی معقول بہانہ تلاش کر کے نکل جاتا تھا۔ لیکن کبھی کبھی آپ کے اسرار پر میں اپنی قابلیت کا بھرم رکھنے کے لیے تعریفی جملے سے آپ کو نواز دیتا تھا مگر اب ایک حجتی قاری کی طرح نقد وجرح کرلیتا ہوں۔

جعفری صاحب نے انگریزی، ہندی، اردو تین زبانوں کو مستقل پڑھا ہے جو مضامین ہماری دسترس سے باہر ہیں وہ مضامین جعفری صاحب کے یہاں داد و دہش کے موتی سمیٹنے کے لئے ہر وقت حاضر ہیں۔ آپ نے صرف کتابوں کا مطالعہ ہی نہیں کیا ان معصوم بچوں کے ذہنی نفسیات کو بھی پڑھا ہے جو اپنی توتلی زبان، اشارے کنایوں میں بعض دفعہ بڑی کارآمد باتیں کہہ جاتے ہیں۔ مرزا غالب کالج سے قبل آپ نے لگ بھگ چودہ سال تک ہائی اسکول معافی نالندہ میں بطور اسسٹنٹ ٹیچر اپنی خدمت انجام دی ہے۔ ڈاکٹر جعفری صاحب کے اندر مختلف کردار مختلف انداز میں زندہ ہے کبھی زمانے کا درد ناسور بن کر معاشرے کو تباہ کرتا ہوا نظر آیا تو آپ کے قلم کی نوک ایک جراح کے نشتر کی طرح خود کو جراحی عمل سے بھی گزارتی نظر آئی۔ آپ کی شاعری حزن و ملال کے ساتھ عیش و طرب کا نغمہ بھی لٹاتی ہے۔ اور ایک ایسا کردار بھی ہے جہاں کلکاریاں، شوخیاں، شرارت، معصومیت کے سوا کچھ بھی نہیں یہ کردار تخلیق کار کی اپنی شان ہے اور یہ کردار ایک شوخ و شنگ بچے کا ہے یہ ایک ایسا کردار ہے جہاں کئی کردار اس کے پس منظر میں محو رقص ہیں۔ دادی، نانی، ماں، باپ، ٹیچر، دوست، میرے لئے آپ کا یہ کردار سب سے زیادہ پسندیدہ کردار ہے۔ میں آپ کی ان نظموں کو پڑھ کر عہدِ طفلی میں کھو جاتا ہوں۔ جعفری صاحب اس انداز بیان کے لئے زیادہ مشہور ہیں۔ میرے خیال میں ان کی یہ امتیازی شان بیشک جدا ہے۔ مگر یہ صرف اس جمشید کا ساغر نہیں ہیں۔ ہم تھوڑا اپنا زاویہ نگاہ بدلیں تو ادب کی دوسری اصناف میں بھی آپ کا قد بلند ہوسکتا ہے۔

ڈاکٹر جعفری صاحب نے اپنا تخلیقی سفر کب شروع کیا اس کی کوئی تاریخ تو درج نہیں ہے مگر یہ بات میرے علم میں ضرور ہے کہ آپ کمسنی سے شعر و شاعری میں دلچسپی لیتے رہے ہیں۔ آپ کی پہلی تخلیق بہت کم سن عمر میں بچوں کی نظم سے شروع ہوتی ہے۔ پھر چھوٹی سی عمر میں ہی ان کی نظمیں اور کہانیاں بچوں کے رسائل و جرائد میں شائع ہونے لگیں۔ آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے اردو ہندی کے کسی بھی اخبارات و رسائل کو آپ اٹھالیں لگ بھگ

سارے اخبارات اور رسالے میں بچوں کی لکھی ہوئی نظمیں بلا ناغہ نظر آئیں گی۔ ''میں آپی سے نہیں بولتی''، مخصوص طور پر یہ نظم کی کتاب ہے اور اردو زبان میں ان بچوں کے لئے تحفہ ہے جو اپنی مادری زبان میں نظم کا لطف اٹھانا چاہتے ہیں۔ آپ نے ہندی ادب میں بھی بہت کچھ لکھا ہے آپ کے زیادہ تر تحقیقی وتنقیدی مضامین ہندی ادب کا حصہ ہیں۔ بچوں کے لئے ہندی ادب میں ''چاند ہماری مٹھی میں ہے'' کافی مشہور ومقبول نظم کا مجموعہ ہے۔ آپ کی کچھ نظمیں نصاب تعلیم کا حصہ بھی ہیں۔ ہندی ادب میں جعفری صاحب کامیاب کوی کے طور پسند کئے جاتے ہیں۔ ''ہندی غزل کا ویکاس''، ''پروین شاکر کی شاعری''، ''کھلے دریچے کی خوشبو'' خوشبو چھو کر آئی ہے یہ آپ کی مقبول ترین تصانیف ہیں جو ہندی دنیا میں کافی مقبول ہیں۔ ضیاء الرحمٰن جعفری میتھلی زبان میں بھی باضابطہ شاعری کرتے ہیں۔ ان کے والد محترم فضل الرحمان ہاشمی صاحب میتھلی زبان کے بہت عمدہ شاعر تھے آپ کو میتھلی زبان میں ساہتیہ اکادمی اوارڈ سے بھی نوازا گیا ہے۔ جعفری صاحب نے روزنامہ ہندوستان کے علاوہ کئی اخبارات اور ٹی وی چینل میں بطور صحافی اپنے فن کا جوہر بھی پیش کیا ہے۔ یہ ملازمت صرف غم روزگار سے نجات کا ذریعہ نہیں تھی۔ بلکہ آپ نے اس فن میں باضابطہ صحافت کی ڈگری حاصل کر رکھی ہے۔ آپ کو کئی ادبی تنظیم، اداروں نے زبان وادب کی خدمات کے عوض کئی توصیفی اسناد سے نوازا ہے طوالت کے خیال سے کچھ خاص ہی سند کا ذکر کر رہا ہوں جنشتا بدی سمان، یشپال سمان، شبد سادھک سمان وغیرہ اس سمان سے بہت کم لوگ سرفراز ہوتے ہیں۔

آپ جعفری صاحب کی علمی صلاحیت کا اندازہ ان کے کلام سے لگا سکتے ہیں۔

☆☆☆

O

مار ڈالے گی وہ زنجیر لئے پھرتی ہے
ایک لڑکی میری تصویر لئے پھر تی ہے

جس کی چاہت تھی ہر اک چیز ملی ہے اس کو
ہاتھ میں خواب کی تعبیر لئے پھرتی ہے

ہو جو ممکن تو زباں کو نہ دو جنبش اپنی
یہ سیاست ابھی شمشیر لئے پھرتی ہے

جس کا بھی چاہے نشیمن کو جلا کر رکھ دے
یہ ہوا آگ کی جاگیر لئے پھرتی ہے

شہر کے موڑ پہ بیٹھا ہے قلندر اب تک
اک دعا ہے ابھی تاثیر لئے پھرتی ہے

ہر قدم پر نئی الجھن ہے مصیبت ہے کھڑی
زندگی کتنی گرہ گیر لئے پھرتی ہے

☆☆☆

O

چاہت بھی نہیں ہے کوئی انعام دیا جائے
مزدور کے ہاتھوں کو فقط کام دیا جائے

وہ چلنا بھی چاہے تو قدم اٹھ نہیں پائے
ایک شخص کو اتنا نہیں آرام دیا جائے

سب لوگ اُمیدوں سے مجھے دیکھ رہے ہیں
کس کس کو یہاں بانٹنے گلفام دیا جائے

جھوٹی ہی سہی ہوگی گواہوں کی ضرورت
منصف نے کہا ہے اسے انجام دیا جائے

یوں بول کے کرتے ہیں بھلا کس لیے رسوا
دینا ہے اگر کچھ بھی تو گم نام دیا جائے

رشتہ ہے یہ دل کا نہ رہے دل کے ہی اندر
اس پیار کا دنیا کو بھی پیغام دیا جائے

☆☆☆

O

شدید دھوپ کو بھی بدلیاں بتاتے تھے
یہ لوگ میری نہیں خامیاں بتاتے تھے

کھلی فضا میں جو آئے تو درس دینے لگے
جو بند گھر کو کبھی کھڑکیاں بتاتے تھے

یہ سارے جتنے منافق ہیں مل گئے ہم سے
جو ہر قدم پہ ہمیں درمیاں بتاتے تھے

اُنہیں کے ہاتھ تو عصمت دری میں شامل تھے
جو سب کو اپنی سگی بیٹیاں بتاتے تھے

کبھی لگا نہیں طاقت کا ان کو اندازہ
ہمیں یہ لوگ کبھی تتلیاں بتاتے تھے

لگی جو آگ تو گوشہ نشیں ہوئے سارے
یہ سب اکیلے بڑی شیخیاں بتاتے تھے

☆☆☆

O

کب تلک ان مسئلوں کو اور ٹالا جائے گا
اب نہ ہم کچھ بھی سنیں گے حل نکالا جائے گا

دیکھنا ان ملزموں کے ساتھ جو موجود ہے
ایک دن وہ آدمی بھی مار ڈالا جائے گا

لڑنے والے لڑ کے ہی خود سے فنا ہو جائیں گے
ساتھ میں مندر نہ مسجد نا شوالہ جائے گا

پھر یہ کہنا ملک میں جمہوریت موجود ہے
جب ہوا کو ان چراغوں سے سنبھالا جائے گا

اب تو ہم بھی جان پائے ہیں صداقت کا مزاج
اک ذرا سی بات ہوگی اور اچھالا جائے گا

ہے یہی بہتر حکومت سے رہے وابستگی
ورنہ سچ کی ملکیت کو بھی کھنگا لا جائے گا

☆☆☆

ارشد رضا وارثی

اُردو ادب کی عجیب صورت حال ہے ایک بڑی جماعت اپنے نام ونمود سے اس قدر عاجز ہے کہ اس کا فن اس کے ساتھ ہی قبر میں دفن ہو جا تا ہے۔ اگر کبھی کسی نیک بخت کو توفیق ہوگئی تو اس نے باوصف تلاش بسیار دفینے سے وہ تصویر نکالی بھی لی تو وہ تصویر اپنے خدوخال سے خوبصورت ہونے کے باوجود حسن و جمال سے عاری ہوتی ہے پھر اس کی خوبصورتی میں اضافے کے لیے جو رنگوں کی آمیزش ہوتی ہے وہ اکثر تصویر کے حلیے کو ہی بدل ڈالتی ہے۔ اس جماعت کے جابرانہ سلوک نے ادب کو نا قابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ میرے خیال میں اس وجہ سے بھی اردو ادب کا دامن تنگ ہے۔ اس جماعت میں ایک اضافی نام جناب ارشد رضا وارثی کا بھی شمار کیا جا سکتا ہے۔ آپ فطری شاعر ہیں۔ قدرت نے فنی صلاحیتوں سے نواز ہے، لیکن پتہ نہیں کیوں اس متاعِ ذوق کی قیمت آپ کی نگاہ میں کوڑی کے مول کے برابر نہیں فنکار اپنے متاع فن کو کس قدر ضائع کرتا ہے اس ہنر سے ارشد رضا وارثی باخوبی واقف ہیں۔ افسوس تو یہ ہے کہ انہیں کوئی افسوس نہیں فخر تو یہ ہے کہ شاعری باعث توقیر نہیں، شہرت پسندی سے ازلی نفرت ہے۔ قدرت کے اس انمول خزانے کو بے دریغ ضائع کرنا کمال نہیں تو کیا ہے۔ میں آپ کی ذات کمال سے زیادہ واقف نہیں ہوں۔ اور نہ میں نے اس نام کو کہیں پڑھا یا سنا تھا بزمِ اتحاد کے مشاعرے میں اتفاقیہ ملاقات ہوئی۔ بحیثیت شاعر جب آپ گویا ہوئے تو میں چونک گیا ہر شعر ذہن کی گرہیں کھول رہا تھا۔ سامعین کی صدائے بازگشت نے ہوا کا رخ بدل دیا تھا۔ ماحول میں قدرتی

نغمگی کا احساس تھا۔ سماعتیں متحیر ہونے کے ساتھ ساتھ کیف وسرور کے احساس سے سرشار ہونے لگیں تھیں۔ مطلع از مقطع میں جس کیفیت سے لطف اندوز ہوا وہ احساس محسوس تو کرسکتا ہوں بتا نہیں سکتا۔ عجیب اتفاق ہے میرا داخلہ مداحوں کی فہرست میں بہت ڈرامائی انداز میں ہوا۔ مجھے علم ہے میں اس وقت جس ارشد رضا سے روبرو ہوں اس شخصیت کی خوبیاں، کمالات، جوہر، ہنر، لیاقت، صلاحیت، اوصاف و کردار سے آپ بہت حد تک واقف ہوں گے۔ میرا کام صرف ان پہلوؤں کو نمایاں کرنا ہے۔ آپ کی پیدائش ضلع نالندہ کے بارہ گاواں کے ایک گاؤں چکدین میں ہوئی ہے۔ یہ بستی علم وادب کے لحاظ سے کافی مشہور ہے جہاں مستند شاعر وادیب پیدا ہوئے۔

یہ ادب کا خاص گہوارہ ہوا کرتا تھا۔ ارشد رضا صاحب کے والد، دادا نانا چچا اور دونوں ماموں ناظم چکدینوی اور ظفر چکدینوی سبھوں کی تعلیم لکھنؤ میں ہوئی تھی۔ آپ کے دونوں ماموں ناظم چکدینوی، ظفر چکدینوی صاحب، قادرالکلام شاعر تھے۔ اس لئے گھر میں بھی اردو اور ادب کا ماحول تھا۔ ارشد صاحب نے جس خاندان و ماحول میں پرورش پائی ہے۔ اس ماحول میں جذبات کی ترجمانی کے لئے اکتسابِ فن کی ضرورت نہیں تھی ہر حساس طبیعت انسان اپنے خوابیدہ جذبات کو قوت گویائی بخشنے میں کامیاب تھا۔ ارشد رضا کی خدا داد ذہانت نے اس ماحول کے اثرات کو بہت جلد قبول کرلیا۔ جب ارشد رضا کے ذہنی سفر نے منطقی حدود میں قدم رکھا تو ایک نیا تصور، ایک نیا تخیل معاشرے کی مرکب امتزاجی سے ظہور میں آیا۔ اس کے بعد آپ نے غزل، نظم، قطعات، انشائیہ، طنز ومزاح، سہرا، مرثیہ، نعت ومنقبت میں خود کو آزمایا اس طرح اردو شاعری کے مختلف فن میں طبع آزمائی کی لیکن نعت ومنقبت سے زیادہ قریب رہے اسکی بڑی وجہ آپ کو اہل بعیت واولیاء کرام سے کافی عقیدت ہے اور یہ رنگ آپ کی شاعری میں نمایاں ہے۔ ارشد رضا کا پورا نام محمد ارشد رضا ہے۔ لیکن نام میں وارثی کی اضافت سیدنا حاجی وارث علی شاہ دیوا شریف بارہ بنکی اتر پردیش کی نسبت سے لگاتے ہیں یہ سلسلہ ان کے دادا شیخ مولوی باقر علی وارثی سے چلا آرہا

ہے۔ آپ محبت اہلِ بعیت اور اولیاء کرام سے عقیدت کے قائل ہی نہیں ان کی پیروی کو ایمان کا جز تصور کرتے ہیں۔

وہ کعبۂ دل قید گاہِ محبت
نگاہوں کا مرکز وہی آستاں ہے
نہ بھولیں ہم کربلا کے دن کو، کمالِ صبر رضا کے دن کو،
دیا ہے الفت میں جس نے سر کو، اسی کو رنگ وفا ملا ہے

یہ جہاں تصوف کے قائل ہیں وہیں اسلام کے اس نظریئے پر سختی سے پابند ہیں کہ اسلام صرف نظام حیات نہیں انسانیت کے لئے نجات دہندہ بھی ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی خلافت اور رہبری کے لئے پیدا کیا ہے۔

اس طرح ہر مسلمان پر دعوت الی الحق فرض ہے۔

میں سنگِ راہ نہیں سنگِ میل ہوں یارو
میں راہزن نہیں میں رہبرِ زمانہ ہوں

اس شعر میں جہاں رہبری کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ وہیں ساتھ ہی معترضین کے اس خیال کی نفی کی گئی ہے کہ مذہب اسلام انتہا پسندوں کا مذہب ہے قرآن مقدس کی تعلیمات دہشت گرد پیدا کرتیں ہیں۔ انہیں وطن عزیز سے محبت نہیں، ارشد رضا کا قلم ان متنفر حضرات کی تردید کرتا ہوا وطن سے محبت و وفاداری کا ایک ایسا نظریہ پیش کرتا ہے جہاں ہر الزام تراشی کا ردصرف ایک شعر میں ظاہر ہو جاتا ہے۔

ہم وفادار ہیں رگ رگ میں وفاداری ہے
خوں کے ہر قطرے سے آتی ہے وطن کی خوشبو

ارشد رضا کے اندر مختلف کردار مختلف انداز میں متحرک ہے اور ہر کردار کی انفرادی جگہ ہے۔ سنجیدہ شاعر، انشائیہ نگار، طنز و مزاح، مضمون نگار ہر وہ موضوع جس کی مرکزی حیثیت نوع انسان کی ہے یہ ان کے دلکش اسلوب میں میں ڈھلتے رہتے ہیں اگر آپ نے

کبھی بوجھل لمحات میں ان کی صحبت اختیار کی ہوگی تو ان کی گفتگو کی چاشنی، لطیف مزاح، جملے کی برجستگی نے یقیناً آپ کے ان بوجھل لمحات کو شگفتہ اور دلکش بنا دیا ہوگا۔ یہ فن صرف کتاب کے مطالعے سے نہیں آتا سماج کے مختلف طبقات اور شعبۂ حیات سے متعلق افراد کی طرزِ زندگی ان کے مخصوص رویوں، عادت وخصائل سے حاصل کیا جاتا ہے۔

آپ کی شاعری میں جہاں زمانے کا درد، وطن عزیز سے محبت، بزرگان دین سے عقیدت کی بھرپور عکاسی ہوتی ہے وہیں دوسری طرف ان کے علاوہ کئی مضامین کی کافی گنجائش ہے فراق ووصال، حسن وعشق، جبر وستم، شب ہجراں کے افسانوں سے موصوف کی شاعری کا دامن خالی نہیں میں اس مختصر خاکے میں تمام مضامین پر گفتگو کرنے سے قاصر ہوں۔

☆☆☆

زمانے کے علمبردار

کبھی پیچھے پلٹ کر بھی تو دیکھیں
وہ کیا تھے؟
کون تھے؟
تھی کیسی ان کی فطرت اور عادت
وہ جن کے در پہ ہاتھی اور گھوڑے جھومتے تھے
چمن اور باغ لگوائے تھے جس نے
سرائے، شاہ راہیں اور کنویں
کیا جس نے اندھیرے شب کو روشن
کشادہ دل تھا ان کا
دماغ ان کا وسیع اور ذہن بالیدہ
محبت سے تھا دل سرشار جن کا
دلوں میں جن کے قربانی کا جذبہ
یہ سب کچھ فی سبیل اللہ ہی تھا
مگر
جاری کیا ہے تم نے فتویٰ
بلاخوف وخطر ان پر قدامت کا

ابھی جو ہیں مہذب جو ترقی یافتہ ہیں
وہ کتّے پالتے ہیں
ہیں ٹامیؔ اور جیکیؔ نام فرزندوں کے ان کے
سجاتے ہیں گھروں کو کیکٹس سے اور کراٹن سے
نہ پھل ہے اور نہ ہی پھول ہے اور نہ ہی خوشبو
ہے ان کی زندگی میں بس لب و رخسار گیسو
سمٹ کر رہ گئے ہیں اپنے گھر میں
ہیں سب سے اچھے وہ اپنی نظر میں
اسی کو وہ سمجھ بیٹھے سب کچھ
بس اپنی ذات سے ہے کام ان کو
کبھی فرصت ملے تو
کبھی دل کی نظر سے ان کو دیکھو
جدیدیت کے پیروکار ہیں وہ
زمانے کے علمبردار ہیں

☆☆☆

حسیں لمحات

تیری خاطر کئی الزام سہے ہیں میں نے
تیری عزت پہ مگر آنچ نہ آنے دی ہے
درد جو مجھ کو زمانے سے ملا ہے پیہم
رسمِ الفت کی قسم اف بھی نہ میں نے کی ہے

نکہت و نور سے معمور وہ لمحاتِ حسیں
نغمہ و شعر کے سانچے میں بھلا کیسے ڈھلے
اے میری جانِ غزل اے میری ایمانِ غزل
تیری یادوں کے بنا بات بھلا کیسے بنے

وہ حسیں لمحہ ابھی تک ہے میری آنکھوں میں
تم نے زلفیں میری شانوں پہ جو بکھرائی تھی
جس کی خوشبو سے مہک اٹھی تھی دنیا میری
جس سے امیدوں کی دنیا میں بہار آئی تھی

دست نازک سے بکھرتی ہوئی وہ بوئے حنا
کیف و مستی سے دمکتا لب و رخسار کا رنگ
عارض و کاکل و مژگاں پہ بہاروں کا سماں
شوخ نظروں سے چھلکتا ہوا وہ پیار کا رنگ

حسرتوں آرزوؤں اور تمناؤں کی
کتنی دنیا کبھی آباد کئے تھے ہم نے
عمر بھر ساتھ نبھانے کی قسم کھائی تھی
کیا ہوئے وہ جو کبھی وعدے کئے تھے ہم نے

شیشۂ دل کے وہ خوابوں کے محل چور ہوئے
جس طرف دیکھئے خاموشی ہے تنہائی ہے
میری قسمت نے بھی ہے مجھ سے چرا لی آنکھیں
یاد آ جانا بھی کیا باعثِ رسوائی ہے

کہکشاں چاند ستارے بھی گواہی دیں گے
زندگی میں تیری لایا تھا اجالا کس نے
کس نے ماتھے پر لٹایا تھا تمہارے افشاں
شب کے گھنگھور اندھیرے سے نکالا کس نے

تیری یادیں ہی بہت ہیں میرے جینے کے لئے
گرم رکھنے کا مرے خوں کو بہانہ ہے یہی
تازگی ملتی ہے سانسوں سے اسی کو میری
پاس اب کچھ بھی نہیں ایک خزانہ ہے یہی

اس کو مت چھینو اسے ساتھ میرے رہنے دو
آج جذبات مچل اٹھے ہیں کچھ کہنے دو

☆☆☆

شہیدانِ کربلا

چپّے چپّے پر لکھی ہے داستانِ کربلا
لکھ گئے تاریخ ایسی کُشتگانِ کربلا
دے کے سر ہیں سرخرو ابنِ علی جانِ بتول
سارے عالم میں ہیں رسوا دشمنانِ کربلا
ہو گیا ان کے لہو سے دین آخر سربلند
گونجتی ہے سارے عالم میں اذانِ کربلا
کس طرح دیکھی گئی تجھ سے شہادت اہلِ بیت
اے زمینِ کربلا اے آسمانِ کربلا
ڈوب مرنا چاہیے تھا شرم سے نہرِ فرات
سامنے تیرے تھے پیاسے تشنگانِ کربلا
سر تھا نیزے پر مگر آیات قرآنی بہ لب
شام کی جانب چلا جب کاروانِ کربلا
یاد رکھے گا زمانہ تیرا احسانِ عظیم
جب تلک زندہ رہیں گے عاشقانِ کربلا
کاش محشر میں ہو ارشدؔ کربلا والوں کے ساتھ
ہاتھ میں ہے دامنِ وابستگان کربلا

☆☆☆

O

جو نہیں جانتے آئینِ محبت کیا ہے
کیسے سمجھیں گے بھلا پیار کی قیمت کیا ہے

درد انسانیت کیا ہے غمِ خلقت کیا ہے
عشق سے بھی پرے دنیا میں عبادت کیا ہے

عشق والوں کے لئے سوزِ محبت کے سوا
کاسۂ دل میں کوئی اور بھی دولت کیا ہے

فرقتِ یار میں ہر لمحہ سسکتا جو رہے
جانتا ہے وہی اس درد کی لذت کیا ہے

سنگ باری ہے مرے کعبہ دل پر ان کی
کفر کیا جانے کہ سجدوں کی حقیقت کیا ہے

جس کے ایوان کا حاکم کوئی کِذاب ہو پھر
ایسے منصف کے لئے حق و صداقت کیا ہے

میں نے دل والوں سے سیکھا ہے بس اتنا ارشدؔ
یہ ادب چیز ہے کیا اور محبت کیا ہے

☆☆☆

O

فریب اپنوں کو دینا مرا شعار نہیں
مرا ضمیر ابھی اتنا تار تار نہیں
ابھی جو لمسِ محبت سے ہمکنار نہیں
کہے وہ کیسے؟ ابھی دل پہ اختیار نہیں
وہ خندہ زن ہیں بہاروں میں لوٹ کر گلشن
کہوں میں کیسے کہ گلچیں سِتم شعار نہیں
میں بے قرار ہوں اس کا کوئی سبب ہے مگر
یہ کیا ہوا کہ ادھر آپ کو قرار نہیں
گلے بھی ملتے ہیں اور ہاتھ بھی ملاتے ہیں
یہ کیسا رشتہ ہے جو پھر بھی خوشگوار نہیں
کبھی تو آپ کی جانب سے پیش قدمی ہو
تعلقات کا مجھ پر ہی انحصار نہیں
کوئی جگہ نہیں خالی تری عنایت سے
ہمارے خون جگر سے جو لالہ زار نہیں
سنے گا کون یہاں نغمۂ طرب ارشدؔ
ابھی حیات کا ماحول سازگار نہیں

☆☆☆

صہبا ندیم رضویؔ

صہبا ندیم رضوی اردو زبان وادب کی دنیا میں ایک جانا پہچانا نام ہے۔ بزم اتحاد نالندہ کے قیام سے لےکر اب تک اس تنظیم کو اردو دنیا میں اعلیٰ مقام تک پہنچانے میں ان کا بھی اہم کردار رہا ہے۔ ان کا اصل نام محمد شاہنواز رضوی ہے لیکن اردو دنیا میں ان کی پہچان صہبا ندیم رضوی کے نام سے ہے تخلص رضوی لکھتے ہیں بعد میں انہوں نے ندیم تخلص لکھنا شروع کیا۔ شاعری میں ان کے استاد جناب گوہرؔ شیخ پوروی اور عظیم الدین عظیم صاحب رہے ہیں ان کی پیدائش 15 اگست 1968 کو محلّہ بن اولیاء، بہار شریف، نالندہ میں ہوئی ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی۔ اس کے بعد اپنے والد کے پرائیویٹ اسکول، بہار موڈرن اسکول، بہار شریف میں داخلہ لیا جہاں سے نویں کلاس تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد صغریٰ ہائی اسکول، بہار شریف سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ انٹر و گریجویشن سردار پٹیل میموریل کالج، اودنت پوری، بہار شریف اور کے۔ ایل۔ ایس۔ کالج، نوادہ سے ایم۔ اے۔ اردو کا امتحان پاس کیا۔ انہوں نے اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے سرٹیفکیٹ وڈپلوما کورسز کے ساتھ ساتھ کل 8 مضامین میں ماسٹر ڈگری کیا۔ مگدھ یونیورسیٹی، بودھ گیا نے انکے تحقیقی مقالہ 'نالندہ ضلع میں اردو ادب کا ارتقا' پر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری سے انہیں نوازا ہے۔ درس وتدریس کے پیشے سے جڑے رہنے کے ساتھ ساتھ سماجی خدمات کے کام میں بھی پیش پیش رہتے ہیں۔ ''مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسیٹی'' حیدر آباد کے فاصلاتی نظام تعلیم

کے تحت چلنے والے مختلف کورسز کے لئے اسٹڈی سنٹر قائم کرنے اور یونیورسیٹی کو بہار شریف میں متعارف کرانے کا سہرا بھی جناب رضوی کو ہی جاتا ہے۔اس کا اسٹڈی سنٹر بہار موڈرن اسکول، بہارشریف میں قائم کیا گیا۔اس سنٹر میں انہوں نے بحیثیت کوآرڈینیٹر واکیڈمک کانسلر 15 سالوں تک کام کیا اور اردو آبادی کو فیض پہنچایا۔ یہ فی الحال آر۔لال۔کالج،علی نگر، نالندہ کے شعبۂ اردو میں بحیثیت اسسٹنٹ پروفیسر اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔تعلیمی و ادبی میدان میں گرانقدر خدمات خود دیکھتے ہوئے مختلف قومی و بین الاقوامی اداروں کے ذریعہ مختلف اعزازات سے نوازے جا چکے ہیں،جن میں "سرٹیفکیٹ آف آنر، جیمس آف نیوملینیم ایوارڈ، بھارت ایکسیلنس ایوارڈ، ایجوکیشنل ایکسیلنس ایوارڈ، گولڈ میڈل آف آنر، رائزنگ پرسنلٹیز آف انڈیا ایوارڈ، جویل آف انڈیا ایوارڈ، وجے شری ایوارڈ، بیسٹ سٹیزن آف انڈیا ایوارڈ، بیسٹ ٹیچر ایوارڈ 2021، بیسٹ لینگویج پروفیسر آف دی ایر 2021، وغیرہ بطور خاص ہیں۔ان کی علمی و ادبی خدمات کو دیکھتے ہوئے کئی اداروں نے انہیں اپنے ادارے کا عہدیدار وممبر نامزد کیا ہے۔

جناب صہبا ندیم رضوی کے ذوق ادب کی آبیاری اپنے پدر بزرگوار جناب رضوان رضوی صاحب کے زیر سایہ ہوئی کیوں کہ ان کے والد خود ایک مشہور ومعروف ادیب رہے ہیں۔انہوں نے عالمی پیمانے پر اردو ادب کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔اس گھریلو ادبی فضاء میں انہوں نے افسانہ نگاری، انشائیہ نگاری اور مضمون نگاری کی چمن آرائی کے ساتھ ساتھ شاعری کی بھی حنا بندی کی ہے۔ان کی ادبی زندگی کا آغاز 1982 میں ہوا تب سے ان کے لکھنے کا سلسلہ جاری ہے۔قومی و بین الاقوامی رسالوں میں انکے مضامین وغزلیں شائع ہوتی رہتی ہیں۔لیکن زندگی کی مصروفیات میں الجھ کر وقت نکالنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔لیکن آج بھی ادبی محفلوں میں ان کی موجودگی ہوتی ہے اور محفل کو رونق بخشتے ہیں۔

☆☆☆

O

آیا ہوں بندگی کی تمنا لئے ہوئے
جھیلوں گا غم خوشی کی تمنا لئے ہوئے

مجھ سے میرا خیال بھی پوچھے ہے در بدر
آئے ہیں آپ پری کی تمنا لئے ہوئے

یادیں ہیں کچھ عجیب سی میرے دماغ میں
روتا ہوں میں خوشی کی تمنا لئے ہوئے

قہقہوں کے دیش میں ان کی مثال ہے
گونجی صدا ہنسی کی تمنا لئے ہوئے

احسان تیرے عشق کا اب مجھ پہ کچھ نہیں
جیتا ہوں زندگی کی تمنا لئے ہوئے

رضویؔ ہے میرے دست میں ساغر شراب کا
پیتا ہوں عاشقی کی تمنا لئے ہوئے

☆☆☆

O

دل میرا بس تم سے ہی آباد ہے
زندگی گل کی طرح سے شاد ہے

آئے ہیں سب غم مٹانے کے لئے
غم سے ہر سینہ یہاں آباد ہے

کس طرح میں شادماں رہتا بھلا
ہر قدم پر اک ستم ایجاد ہے

میرے ہی گھر کے قریں رہتا ہے وہ
نام نامی جس کا یہ آزاد ہے

آپ نے رضوؔی کو چاہا تھا کبھی
وہ زمانہ اب بھی مجھ کو یاد ہے

☆☆☆

O

کٹتی ہے زندگی ایسے وطن سے دور
پژ مردہ اک گلاب ہو جیسے چمن سے دور

فکر معاش، یادِ وطن، دوستوں کا غم
میں کس طرح رہوں بھلا رنج و محن سے دور

میرے خیال و فکر کا محور ہے تیری ذات
تجھ کو نہ کر سکوں گا کبھی اپنے من سے دور

مغموم و بیقرار ہوا جا رہا ہوں میں
جاتا ہے مجھ کو چھوڑ کے کوئی چمن سے دور

تیغ و تبر کے سائے میں کٹتی ہے زندگی
کب حق پرست رہتے ہیں دار و رسن سے دور

پردیس کی یہ زندگی کہتی ہے اے رضویؔ
آسودگی ملے گی نہ تجھ کو وطن سے دور

☆☆☆

عمران راقمؔ

مجھے نہیں معلوم شاعر و ادیب کی نگاہ میں عمران راقم کا کیا مقام ہے۔ میں اس عمران راقم کو جانتا ہوں جس نے ہمارے ساتھ کئی شب و روز گزارے ہیں۔ خانقاہ سے لیکر محلّہ دائرہ تک کی خاک اڑائی ہے۔ اردو کی حالت زار پر نوحہ گری کی ہے۔ زبان و ادب کی فکر ہمیں اس درجہ تھی کہ اگر ہم اس وقت اپنے مستقبل کے لیۓ فکر مند ہوتے تو اپنا مستقبل کہیں شاندار ہوتا مگر شاید ہم اس کاروانِ ادب کہ وہ سفیر تھے جو اپنے شاندار مستقبل کا متمنی نہیں تھا۔ ہم ایک دوسرے سے مختلف الخیال ہونے کے باوجود اس فکر پر ہم خیال تھے کہ ادب کو پروان چڑھانے اور اس کی تشہیر و ترویج کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیں۔ ہماری دوستی ہزار حماقت کے باوجود مثالی تھی۔ ہم وقت کی بربادی پر والدین کی جھڑکی کی پروا نہیں کرتے تھے۔ ہمیں آج بھی بہار شریف کی ہر گلی کوچے میں اپنے قدموں کی وہ مانوس چاپ محسوس ہوتی ہے۔ وقت اور حالات نے سب کچھ بدل دیا۔ مجھے ادب سے بے پناہ محبت تھی مگر ذہن میں کوئی واضح تصویر نہ ہونے کے سبب میں نے جلد اپنی راہ جدا کر لی اور میں پرائیوٹ کمپنی میں ملازم ہو گیا لیکن عمران راقم کا جوش، جنون ان سے ادب کی خدمت لیتا رہا۔ آپ کے حصّے میں بدنامیاں، دشواریاں کافی روکاوٹیں آئیں یہ ہر ایک پریشانی کو آسانی میں تبدیل کرتے گئے۔ اور بیشک یہی انتخاب کا فیصلہ ان کے حق میں بہتر ثابت ہوا۔ اور یہ ہر کس و ناکس کی قسمت کی پستی و بلندی کا معیار بھی ہے۔ آج عمران راقم صاحب

کے تین مجموعے نئی زمین، نئی آواز، غزل زار، ادب کے میزان پر فکروفن کی داد وصول کر رہے ہیں۔ ابھی ایک اور مجموعہ ''شاعروقت'' کے عنوان سے کی تکمیل سے گزر رہا ہے۔

عمران راقم کی تاریخ پیدائش 2 اپریل 1973 محلّہ خانقاہ بہار شریف کی ہے۔ والد کا نام مولانا محمد غلام ربانی ہے۔ عمران راقم کو دوران تعلیم شعروشاعری سے دلچسپی ہوگئی تھی پھر جب آہستہ آہستہ طبیعت نے زور پکڑا تو آپ نے اطہر ہلسوی صاحب سے اصلاح سخن کیا اور یہ ادبی سفر چلتا رہا بعد میں علقمہ شبلی صاحب نے بھی فنی باریکیوں سے واقف کرایا۔ جب سے میں آپ کے رابطے میں آیا ہوں میں نے سینکڑوں اخبار و رسائل کا پلندہ آپ کے ڈرائنگ روم میں بکھرا ہوا دیکھا ہے زیادہ تر رسالے میں آپ کی شائع شدہ غزلیں نظر آئیں اس طرح آپ ان کے ذوقِ جنون کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ آپ نے کبھی کہیں کوئی ملازمت نہیں کی غم روزگار نے جب زیادہ ستایا تو باضابط اردو کا ایک رسالہ ہی ''صورت'' کے نام سے نکال ڈالا اور خود مدیر اعلیٰ بن بیٹھے۔ یہ کولکاتہ سے شائع ہونے والا اردو کا واحد کثیر الاشاعت رسالہ ہے۔ انشاء اللہ یہ رسالہ اگر تواتر سے شائع ہوتا رہا تو یہ زبان وادب کی تشہیر وترقی میں بہت حد تک معاون و مددگار ہوسکتا ہے۔ بیشک میں نے بحیثیتِ فنکار عمران راقم کی فنی صلاحیتوں کا جائزہ نہیں لیا ہے اور یہ کام قارئین وناقدین کی ذمے داری پر چھوڑ دیا ہے۔ میں نے آپ کے اس پہلو کا جائزہ لیا ہے جو ہر صورت میں مخفی رہ جاتے۔

سوائے میرے کوئی تیرا رازدار نہیں
جہاں میں یوں تو ہر اک شخص جانتا ہے تجھے

☆☆☆

O

دیار دشت ہو یا گھر پرندے
ہر اک موسم کے ہیں خوگر پرندے
قیامت خیز بارش کی جھڑی ہے
سکھا لیتے ہیں بال و پر پرندے
قفس کی تخت سلطانی کو ٹھوکر
لگاتے ہیں یہی بے گھر پرندے
قناعت پر بسر ہوتی ہے ان کی
نہیں رکھتے دری چادر پرندے
لگاتے ہیں ہمیشہ دھوپ میں بھی
ادب سے جھیل کا چکر پرندے
ابھی تشہیر کا موسم نہیں ہے
اڑانے آگئے چھت پر پرندے
ٹھکانے کے لئے جنگل بہت ہیں
بنائیں کس لئے پھر گھر پرندے
نکلنے کی کبھی کوشش نہ کرنا
حصار ذات سے باہر پرندے
ضرورت جب کبھی راقمؔ پڑے گی
اٹھائیں گے یہی کنکر پرندے

☆☆☆

☆

اثبات کا نفی میں اشارہ ملا مجھے
اچھا ہے کشمکش سے کنارا ملا مجھے
کچھ بھی تھا مرے پاس نہیں بے بسی تھی بس
حسرت ہے تیرے غم کا سہارا ملا مجھے
مانگا تھا میں نے چاند فلک سے خدا مگر
ٹوٹا ہوا نصیب سے تارا ملا مجھے
یہ کاروبار عشق مرے بس میں تھا نہیں
سو عاشقی میں اچھا خسارہ ملا مجھے
کشتی بھنور میں ڈوب گئی پر نصب تھا
طوفاں کے درمیان کنارا ملا مجھے
گرداب میں مَیں ڈوبنے ہی کے قریب تھا
دریا میں اک پریشاں شکارا ملا مجھے
دیتا بھی کون مجھ کو اے راقمؔ تسلیاں
جو بھی ملا نصیب کا مارا ملا مجھے

☆☆☆

O

چلنا نہیں تھا پھر بھی تو چلنا پڑا مجھے
اپنے ہی غم کی آگ میں جلنا پڑا مجھے
آواز دے کے اس نے بلایا مجھے تو پھر
ننگے ہی پاؤں گھر سے نکلنا پڑا مجھے
کہنے کو کارواں بھی مرے ساتھ تھا مگر
خود سے بچھڑ کے راہ میں چلنا پڑا مجھے
اس کو کسی کے ہاتھ میں یوں سونپنے کے بعد
ارمان اپنے دل کا کچلنا پڑا مجھے
رخصت تو اس کو کردیا میں نے بصد خوشی
پھر اس کے بعد ہاتھ بھی ملنا پڑا مجھے
چہرے پہ ایک کتنے ہی چہرے کو دیکھ کر
اپنا بھی چہرہ آپ بدلنا پڑا مجھے
راقمؔ نہ جانے کس کا لہو پی کے ہے کھلی
یہ سوچ کر کلی کو مسلنا پڑا مجھے

☆☆☆

O

ہم کسی شہر میں آباد نہیں ہوسکتے
جب تری یاد سے آزاد نہیں ہو سکتے
جتنی محنت کریں اور لاکھ جتن بھی کرلیں
عشق میں ہم کبھی فرہاد نہیں ہو سکتے
درد سینے میں ہے اور سوز جلن ہے ہردم
اتنی الجھن سے تو دلشاد نہیں ہوسکتے
قید جب اڑتے پرندوں کو نہیں کرتے گر
کچھ بھی ہوجائیں وہ صیاد نہیں ہوسکتے
دل گیا جان گئی چین گیا نیند گئی
عشق میں اور ہم برباد نہیں ہوسکتے
اپنے جینے کاہے انداز انا ہے اپنی
ہم کبھی مائل فریاد نہیں ہوسکتے
بیتے موسم کی کہانی نہ بھلا دیں جب تک
جو نئے ہیں وہ سبق یاد نہیں ہوسکتے
شاعری مشق سے آتی ہے سمجھئے راقم
دو غزل کہہ کے تم استاد نہیں ہوسکتے

☆☆☆

O

جاں ستاں کی طرح دل نشیں کی طرح
آسماں ہے خفا اب زمیں کی طرح
سونے جیسا بدن روشنی کی چھبن
ہم نے دیکھا نہیں اس حسیں کی طرح
خوبرو بھی بہت دل نشیں بھی بہت
ہم نوا کی طرح ہم نشیں کی طرح
آپ کے جسم سے خوشبو مجھ کو ملی
عنبریں کی طرح یاسمیں کی طرح
کامنی کا بدن خوشبوؤں کا چمن
گل بدن کی طرح نازنیں کی طرح
وہ جوترسے ہراک پل خوشی کے لئے
کوئی ہوگا نہیں مجھ حزیں کی طرح
چاندنی کی کرن نور کی انجمن
وہ ہے راقمؔ کوئی مہ جبیں کی طرح

☆☆☆

آصف اعظم

بزم اتحاد نالندہ یہ ایک ایسی بزم ہے جہاں فنون ادب کی درس وتدریس کے ذریعہ نسل نو کو بہترین انداز میں علم وفن سے آرستہ کیا جاتا ہے اس کی ادبی خدمت نا قابلِ فراموش ہے۔ یہاں ہر فرد اردو کی خدمت کے لئے پوری توانائی کے ساتھ سرگرم عمل ہے یہاں کبھی کبھی سکوت کی کیفیت نظر بھی آجائے تو یہاں جمود کی کیفیت ہرگز نہیں ہے۔ اس جوش جنون میں صرف اہلِ علم نہیں عوام بھی نشہ سرشاری میں مست ہیں۔ ہر شخص اس بات کا متعرف ہے کہ یہ ہر چھوٹی بڑی نشستوں کے ذریعہ لوگوں میں شعر وادب کا ذوق پیدا کرنے کا کام کر رہی ہے۔ جس کے نتیجے میں نئی نسل کے شعراء ابھر کر سامنے آرہے ہیں۔ جس میں غفران نظر، سکندر علی سائل، تنویر ساکت، تنگ ایوبی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ یہ ایسے نوجوان ہیں کہ انہیں مقتدر شعراء کرام نے ہر قدم پر سراہا ہے اب تو یہ حضرات اپنے مضبوط کاندھوں پر بزم کی ذمہ داریوں کو اٹھا کر اپنے بزرگوں کی روایت کو قدم در قدم آگے بڑھا رہے ہیں اور پابندی کے ساتھ شعر وادب کی کامیاب نشستوں کا انعقاد کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بزم اتحاد اب تک 160 سے زیادہ کامیاب نشستوں کا انعقاد کر چکی ہے۔ ان نوجوان نسل میں ایک نام جو دل کی گہرائیوں کو چھوتا ہوا نظر آتا ہے وہ نام آصف اعظم کا ہے۔

آپ کا پورا نام محمد آصف اعظم ہے۔ آپ کی پیدائش 25 فروری 1995 کو محلّہ چھجو بڑی اڑان میں ہوئی۔ آپ کے والد حافظ محمد عالمگیر بہار شریف کے شیخانہ محلّہ واقع

مدرسہ قومیہ میں پرنسپل کے عہدے پر فائز ہیں۔آپ کے والد محترم کو ہمیشہ شعر و ادب سے شغف رہا۔حالانکہ انہوں نے کبھی شاعری نہیں کی لیکن ادب سے بے پناہ محبت ہے۔صرف بزم کی نشستوں میں شریک نہیں رہتے بلکہ اکثر اپنی قیام گاہ پر ایسی نشستوں کا اہتمام بھی کرتے رہے ہیں۔آصف اعظم کی ابتدائی تعلیم مدرسہ سے ہوئی بعد میں اپ نے عصری تعلیم میں گریجویشن کیا۔فی الحال اردو ٹیچر کے طور پر نالندہ کے ہرنوت بلاک واقع مڈل اسکول امر پوری میں اپنی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

آپ کو شعر و ادب کا شوق بچپن سے رہا ہے۔آپ نے 2014-2015 سے اپنی شاعری کا آغاز کیا۔ابتدائی شاعری تکبندی سے شروع ہوئی شعور نے خیال کو الفاظ کے قالب میں ڈھالنا شروع کر دیا تھا۔بحر سے لاعلمی کے سبب تخیل کو پرواز کی شکل نہیں مل رہی تھی اسی درمیان تنویر ساکت اور سکندر علی سائل کی انتخاب نظر آپ پر پڑی۔آپ حضرات نے آصف اعظم کی کافی رہنمائی کی آپ خود کو تنویر ساکت کے شرف تلمیذ میں شمار کرتے ہیں۔اس کے بعد آپ پابندی کے ساتھ بزم اتحاد کی نشستوں میں شامل ہوتے رہے۔پھر باضابط بزم کی رکنیت اختیار کر لی۔بزم اتحاد میں آپ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آپ عمر کے لحاظ سے سب سے کم سن شاعر ہیں سب سے کم سن ہونے کے باعث آپ کو بے حد شفقت و محبت ملی۔بے نام گیلانی،آفتاب حسن شمس،امتیاز احمد ماہر،غفران نظر،اطہر ہلسوی، وسیم الحق اصغر نالندوی وغیرہ نے آپ کی بہترین رہنمائی اور حوصلہ افزائی کی۔اس کیمیا گری نے ایک نئی جہت سے افہام و تفہیم کی صلاحیت بخش دی۔ویسے آصف اعظم اپنی شاعری کا پورا کریڈٹ تنویر ساکت اور سکندر علی سائل کی نذر کرتے ہیں بقول آصف اعظم جب ان حضرات کی انتخاب نظر مجھ پر گئی اس وقت میں شاعری کے اصول و ضوابط سے نابلد تھا۔پھر انہوں نے جس طرح ننھے بچے کو انگلیاں پکڑ کر چلنا سکھایا جاتا ہے ٹھیک اسی طرح بے حد شفقت و محبت کے ساتھ شعر و ادب کی باریکیوں سے واقف کرایا جب آہستہ آہستہ یہ طفل نادان گھٹنوں کے بل چلنے لگا تو پھر میدان میں لا کھڑا کیا۔اسکولی تعلیم کے ادوار میں بھی

سکندر علی سائل اور تنویر سا کت آپ کے استاد رہ چکے ہیں۔ آصف اعظم عام طور پر غزلوں کے لئے جانے جاتے ہیں۔ بزم اتحاد کی ادبی نشستوں کے علاوہ یہ فروغ اردو سمینار وغیرہ میں بھی شرکت کرتے رہیں ہیں اور توصیفی اسناد سے نوازے جاتے رہیں ہیں۔ حالانکہ آپ اخبار و رسائل میں اپنے کلام کی اشاعت سے پرہیز کرتے ہیں۔ آصف اعظم کی چند غزلیں ملاحظہ کریں۔

☆☆☆

O

جنوں میں ہوش و خرد سب لٹا کے بیٹھے ہیں
نہ جانے کون کہاں دل لگا کے بیٹھے ہیں
یہ بے خودی ہے کہ دیوانگی کا عالم ہے
خبر نہیں ہے کہاں آج آ کے بیٹھے ہیں
نہ جانے کون سا جادو ہے ان کی آنکھوں میں
ہر ایک شخص کو اپنا بنا کے بیٹھے ہیں
یہ کس مقام پہ لے آئی ہے غمِ ہستی
متاع نام و نشاں تک مٹا کے بیٹھے ہیں
کہاں ہے شہر کا منصف کہاں عدالت ہے
یزیدِ وقت یہاں بے سزا کے بیٹھے ہیں
نہ کوئی یار نہ گھر بار ہے نہ مال و متاع
انا کی جنگ میں سب کچھ لٹا کے بیٹھے ہیں
پلٹ کے آئے گا اک روز وہ ضرور اعظمؔ
دیا امید کا اب تک جلا کے بیٹھے ہیں

☆☆☆

O

دامن ہے تار تار غزل کہہ رہا ہوں میں
یہ دل ہے بے قرار غزل کہہ رہا ہوں میں

کب سے تمھاری دید کو آنکھیں ہیں منتظر
آجاؤ میرے یار غزل کہہ رہا ہوں میں

الجھا ہوا ہوں کب سے تمھارے خیال میں
آنکھیں ہیں اشکبار غزل کہہ رہا ہوں میں

مدت سے تیری راہ میں پلکیں بچھائے ہیں
ہے شوقِ انتظار غزل کہہ رہا ہوں میں

خود کو تباہی کرکے بڑی احتیاط سے
تیرے لئے اے یار غزل کہہ رہا ہوں میں

پہلے ہی بزم یار میں ماتم سا چھایا ہے
اس پر یہ سوگوار غزل کہہ رہا ہوں میں

شعر و سخن کی محفلِ زیبا میں بیٹھ کر
اعظم بے اختیار غزل کہہ رہا ہوں میں

☆☆☆

O

مہرباں ربِ دو جہاں ہوجائے
ذرۂ خاک کہکشاں ہوجائے
اک نظر دیکھ لے مری جانب
دل کا آباد یہ جہاں ہوجائے
ڈس رہی ہے یہ شب کی تاریکی
جلد اب صبح کی اذاں ہوجائے
اشک ٹپکیں گے پھر لہو بن کر
دل کی روداد گر بیاں ہوجائے
چھیڑ کچھ ایسے گیت اے مطرب
دل جسے سن کے شادماں ہوجائے
اپنی قسمت کہاں کہ صحرا میں
تیری زلفوں کا سائباں ہوجائے
جھوم اٹھّیں خوشی سے بام و در
وہ میرے گھر جو مہماں ہوجائے
جس سے منسوب ہو تری یادیں
وہ تو مر کر بھی جاوداں ہوجائے
اس کے چہرے کی تاب کیا اعظم
آئینہ جس سے بدگماں ہوجائے

☆☆☆

O

اس بھرے شہر میں کوئی بھی نہ اپنا نکلا
جسے دریا میں سمجھتا تھا وہ صحرا نکلا
وقت پر ہم نے یہ جانا کہ حقیقت کیا ہے
جو بظاہر تھا برا، دل کا وہ اچھا نکلا
دُشمنِ جان سے خطرہ مجھے لاحق تھا مگر
کوئی اپنا ہی مرے خون کا پیاسا نکلا
جس کو دنیا نے حقارت کی نظر سے دیکھا
اس کا قد وہم و گماں سے کہیں اونچا نکلا
چاند کے حسن کی قائل ہے یہ دنیا لیکن
چاند کا حسن ترے سامنے پھیکا نکلا
ظلمتِ شب تھی مقدر میں کئی مدت سے
آپ آئے تو مرے گھر میں سویرا نکلا
مرگئے بھوک سے اس شہر کے مفلس اعظم
حاکمِ وقت مگر آنکھ سے اندھا نکلا

☆☆☆

O

جانے کہاں سے کیسے ہوا کو خبر گئی
روشن چراغ دل کا بجھا کر گزر گئی
اب مئے کشی کی آرزو باقی رہی کہاں
ان کی نگاہِ ناز ہی مدہوش کر گئی
اس انجمن میں اہلِ نظر کی نظر تو دیکھ
جس نے نظر اٹھائی تم ہی پر نظر گئی
اُلجھا کے اپنے حسن میں اک اجنبی پری
آنکھوں کے راستے مرے دل میں اُتر گئی
زلفوں کو اس نے آج بکھیرا جو صبحِ دم
خوشبو چہار سمت فضا میں بکھر گئی
عرشِ بریں تلک نہ رسائی ہوئی نصیب
شاید یہی سبب ہے دعا بے اثر گئی
عہد شباب میں ہی لحد میں اتار کر
لو آج ہم پہ موت بھی احسان کر گئی

☆☆☆

طارق محی الدین شرمیلاؔ

میری نگاہ میں دنیا کا سب سے مشکل کام اپنی ذات پر اظہارِرائے کرنا ہے۔شاید اس وجہ سے بہت سارے مشاہیرفن نے یہ کام دوسروں کو سپرد کردیا۔اگر آپ ادب کے تعلق سے ناقدوں کا جائزہ لیں تو تخلیق کار سے زیادہ تنقید نگاروں کی طویل فہرست نظر آئے گی۔میرے خیال میں تخلیق سے زیادہ آسان کام تنقید نگاری ہے۔کسی چیز کی تخلیق تنقید کے مقابلے میں زیادہ مشکل ہے۔تخلیق کار فن کی بلندی پر پہنچے یا نہ پہنچے مگر وہ ناقد جو فن سے ناواقف ہونے کے باوجود فن اور شخصیت میں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر کیڑا نکالتا رہتا ہے وہ شہرت کی بلندی پر ضرور پہنچ جاتا ہے۔اب تو یہ کام فرصت کے لمحات میں بہت سارے شاعر وادیب بھی کرتے نظر آجاتے ہیں۔یہ ایسے ادبی تنقید نگار ہیں جو فنکار کو یک قلم مسترد تو نہیں کرتے کچھ ادب کا پاس ولحاظ بھی رکھتے ہیں میں نے سوچا کوئی ایسا ادبی نقاد میں بھی ڈھونڈھ لوں جو میری خواہش کے مطابق میری ذات پر ایک مقالہ لکھ کر میری فنکارانہ عظمت میں چار چاند لگادے۔میں نے اس غرض سے ایسے ناقد کی تلاش شروع کردی۔ لیکن ابھی یہ تلاش جاری ہی تھی کہ مجھے احباب کی طرف سے ان کے حق میں بڑی بڑی قصیدہ خوانی سنے کو ملی یہ جماعت شعراء کے ساتھ بیشک نرم رویہ تو رکھتی ہے مگر ان کے مرکز التفات ہم مذہب، ہم خیال، امیر پروفیسر، شاعر وادیب ہوتے ہیں یہاں کافی موٹی رقم میں ڈیل ہوتی ہے۔یہاں روپئے کی ڈلنگ سے کیا مراد ہے اس کی وجہ دریافت کرنے پر

معلوم ہوا۔آپ کی ذاتی اور ادبی زندگی جو بھی ہو آپ کا موازنہ ہمیشہ استادِ فن کی ذاتی و ادبی زندگی سے کیا جاتا ہے جس کے نتیجے میں ادبی دنیا میں جو زلزلہ اٹھتا ہے۔اس کے دفاعی عمل کے لئے پے در پے کئی مقالے لکھے جاتے ہیں کبھی یہ کام ناقد خود کرتا ہے کبھی یہ کام ہم خیال اسکالر سے لیا جاتا ہے۔یہ حضرات مفت خدمت نہیں دیتے ہیں۔ اس لئے سارے معاملات ایک بار طۓ ہو جاتے ہیں ہاں اس بات کی پوری گارنٹی ہے کہ اس کے بعد آپ کی شخصیت ادب میں محتاجِ تعارف نہیں رہتی۔میں نے اس نیک مشورے پر کئی زاویئے سے غور کیا دوسروں کے مقابلے میری ذات پر یہ مشورہ فٹ ہوتا نظر نہیں آیا۔جب میں نے اپنی گدڑی کو ٹٹولا تو دونوں حساب سے میری گدڑی کنگال نظر آئی۔پھر ایک انسان اپنی انا پرستی کی خاطر جھوٹی شہرت اختیار کر کے اپنی ذات واطوار کو بدل ڈالے یہ ڈارون کے ارتقاء کی تھیوری میں ہضم نہیں کرسکا۔میں نے سوچا چلو اس بہانے مجھے اپنی خاکہ نگاری کا موقع تو ملا ہاں یہ ضرور ہے کہ آپ کے لئے جو دلچسپی دوسرے ذرائع ابلاغ سے میری ذات میں پیدا ہوتی یا میرے قد کی بلندی کا اندازہ کرنے کیلئے خود آپ کو اپنا معیار بلند کرنا پڑتا اس کیفیت سے میں آپ کو دوچار نہیں کرسکتا ہوں۔

آپ کو میری زندگی کی پوری تصویر بلیک اینڈ وائٹ نظر آئے گی۔میری زندگی کا ہر صفحہ بالکل کورا ہے۔اگر میں اس کورے کاغذ پر کوئی تصویر بنانے کی کوشش بھی کروں تو میرا یہ عمل اس نادان بچے کے فعل کی طرح ہوگا جو تصویر بنانے کے بہانے اسکیچ سے کاغذ پر ان گنت رنگین لکیریں کھینچ کر خوش ہو جاتا ہے اس کی دانست میں یہ بھی ایک آرٹ ہے۔لیکن اسے کون سمجھائے' یہ تصویر نہیں ہے۔میں کیا لکھوں زندگی میں کوئی ایسے واقعات بھی نہیں جس کے سبب میں آپ کی دلچسپی کو برقرار رکھ سکوں۔میرے ادبی معیار میں ابنِ صفی، گلشن نندہ، محی الدین نواب زیادہ فٹ بیٹھتے ہیں۔یہاں منٹو، جوش، جگر، کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود میں اردو کی محبت کا دعویٰ دوسروں کے نسبت زیادہ زور شور سے پیش کرتا ہوں۔میں کبھی کسی غیر معروف شاعر وادیب کو مایوس نہیں کرتا۔ان کے جسم کے درجہ حرارت

اور قلب کو رواں دواں رکھنے کے لئے ہر ماہ کوئی نہ کوئی کتاب پابندی سے خرید لیتا ہوں۔ دوسری طرف مرحومین کی کلیات صرف اس وجہ سے خریدتا رہا ہوں کہ فاتحہ خوانی کا ثواب میرے گناہ یا مرحوم کے اوصاف کی وجہ سے موصوف تک نہ پہنچا تو کم سے کم مرحومین کے تالیف قلب کا سامان تو ہو جائے گا۔ میری ادب میں کوئی ایسی کارکردگی نہیں جس پر فخر کیا جا سکے بس ایک عام سی زندگی ہے جو اپنے انداز پر چل رہی ہے۔ میں نے متاعِ ذوق کے نام پر جو کچھ حاصل کیا وہ پہلے ہی آپ کے حضور میں پیش کر چکا ہوں۔ میری تعلیم علمی سند کے اعتبار سے بیشک گریجویشن ہے۔لیکن اگر آپ میری علمی صلاحیت کا جائزہ لیں گے تو یہاں خانہ پوری کے سوا کچھ بھی نظر نہیں آئے گا۔ میرے خیال میں اس کا واحد سبب میرے والدین کا بیجا لاڈ پیار ہی تھا۔ میں نہ باضابطہ کسی مدرسہ کا طالب علم ہوں اور نہ کسی مولوی نے گھر آ کر درسی کتاب کا سبق دیا ہے۔ میرا جسم مولوی کی اس کھجور کی چھڑی کا ذائقہ بھی نہیں چکھ سکا جس چھڑی کا نشان اکثر میرے ہم عمر دوستوں کے جسم پر دیکھنے کو مل جاتا تھا۔ وہ جب اپنی شرارت کا قصہ اپنی زبان سے بیان کرتے تو بہت لطف آتا تھا۔ مگر میری قسمت میں نہ مولوی کی چھڑی ہے نہ وہ پر لطف قصے۔مکتب کے نام پر دادا جان نے اردو کا قاعدہ پڑھایا تھا لیکن میری بدذوقی کو دیکھ کر وہ بھی ادھورا چھوڑ دیا۔اسکول کی تعلیم کا حال بھی کچھ مختلف نہیں۔نصاب کا ہر مضمون ہمیشہ میرے لئے عذاب جان رہا۔ میں کسی بھی مضمون میں امتیازی نمبروں سے کامیاب نہ ہو سکا مجھے جس طرف سے چاہیں ٹھوک بجالیں نتیجہ صفر ہی نکلے گا۔ فی الحال میں ایک پرائیویٹ کمپنی میں ملازم ہوں۔ میں اپنی ذات پر چاہ کر بھی فخر نہیں کر سکتا۔ بیشک اگر میرے خاندان کا ذکر کیا جائے تو ایک تفصیلی بحث اس موضوع پر ہو سکتی ہے۔ میرا خاندان علمی، مذہبی ادبی لحاظ سے ایک شاندار عہد ماضی رکھتا ہے۔ ہمارے خاندان کے کئی علماء فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں شامل تھے۔ میرے دادا جان سید شاہ طٰہٰ اشرفؔ امتھوی، کی شخصیت شاعر، ادیب، قائد، عالم ایک جملہ صفت انسان کی تھی۔ وہ سند یافتہ عالم تو نہیں تھے لیکن علماء انہیں ہزار اصطلاحی عالم پر ہزار درجہ ترجیح دیا کرتے تھے۔ یہ

بات میں عقیدت مندی میں نہیں کہہ رہا ہوں اس بات کے گواہ ان علماً کے مکتوبات ہیں۔ یہ جملہ بھی میری اختراع نہیں ہے۔ یہاں میں نے سید امین احسن اصلاحی صاحب کے قول کو نقل کیا ہے جو آپ نے سید شاہ طہٰ صاحب کی شان میں لکھا تھا۔ میرے دادا جان کی شخصیت کا احاطہ چند جملوں میں کرنا بہت مشکل ہے۔ آپ نے ایک قائد کی حیثیت سے بیس سال اپنے گاؤں کی قیادت کی تھی بیس سال باتفاق آراٗ گاؤں کے مکھیا رہے۔ ہندوستان کے مختلف دینی رسائل و جرائد کے مدیران ان سے مضامین مانگ مانگ کر چھاپا کرتے تھے۔ الاصلاح، معارف، مغزن، المجیب، زندگی، نقیب، مدینہ، میں آپ کی تخلیقات متواتر شائع ہوا کرتی تھیں۔ آپ کی علمی اور سیاسی عظمت کے ڈنکے کی آواز مولانا آزاد، سید ابوالاعلیٰ مودودی، سید سلیمان ندوی، مہاتما گاندھی وغیرہ کے گلیاروں سے ہوکر گزرتی ہے۔ آپ کو مہاتما گاندھی اور خان عبدالغفار خاں سے بالمشافہ ملاقات کا شرف بھی حاصل رہا ہے۔ یہ دونوں عظیم رہنما ہمارے گھر امتھوا شریف تشریف لا چکے ہیں۔

میرے والد کا آبائی وطن گاؤں امتھوا شریف ضلع جہاں آباد ہے۔ ایک زمانہ میں یہ بستی علمی اعتبار سے ہندوستان کے نقشے پر نمایاں تھی۔ یہاں کئی شہزادگان و بادشاہوں نے ادب سے پیشانیاں جھکائی ہیں۔ فتویٰ عالمگیری کے مولفین کے حصے دار میں مولانا شیخ محمد شفیع صاحب کا نام بھی آتا ہے۔ یہ اورنگزیب کے ممتاز علماء میں سے تھے جن سے بادشاہ کو بڑی عقیدت تھی اور شہزادے بھی استفادہ کیا کرتے تھے۔ ہمارے خاندان میں آپ کی حیثیت جد امجد کی ہے اور وہ یہاں آسودۂ خاک ہیں۔ میرے والد نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے گریجویشن تک تعلیم حاصل کی تھی۔ آپ بہترین انشائیہ نگار اور طنز و مزاح کے شاعر تھے۔ میرے والد سید احمد محی الدین مرحوم ادبی دنیا میں احمق گیاوی کے نام سے مشہور تھے۔ میرے والد کی دو اولادیں تھیں ایک یہ خاکسار اور ایک مجھ سے بڑے بھائی حیدر محی الدین تھے جو سید شاہ فضل محمد صاحب کے بڑے داماد بھی تھے۔ ان کا انتقال جوانی میں ہوگیا۔ میرے بڑے بھائی شاعر و ادیب تو نہ تھے لیکن سیکڑوں شعراء کے اشعار انہیں یاد تھے

انہوں نے دینی اورادبی کتابوں کا بھی کافی وسیع مطالعہ کررکھا تھا۔اس معمالے میں ہمارے خاندان پر قدرت کی کرم فرمائی اور بزرگوں کا فیض خاص طور پر رہا ہے میرے پردادا جان سید شاہ محی الدین صاحب نے کسی اولاد کوعصری تعلیم کی خاطر کسی اسکول یا یونیورسیٹی میں نہیں بھیجا تمام اولاد کی تعلیم گھر پر ہوئی ہاں یہ الگ بات ہے کہ ہمارا گھر علم وادب کا گہوارا تھا۔ایک بڑا کمرہ لائبریری کے نام پر مخصوص تھا جہاں ہر طرح کی کتابیں ہر موضوع پر موجود تھیں۔اس لائبریری سے خاندان کے تمام افراد استفادہ حاصل کیا کرتے تھے۔ ہمارے خاندان کی نقل مکانی کے بعد پوری لائبریری خدا بخش لائبریری کے حوالے کر دی گئی۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ اس کمسن عمر میں جب بچے خود کولہوولعب میں مشغول رکھتے ہیں اس وقت یہ حضرات آپس میں قران وحدیث کی تفاسیر پر بہت آسانی کے ساتھ بحث و مباحثہ کرلیا کرتے تھے۔

بہار شریف میرے والد کا نانیہال ہے علمی اور مذہبی دونوں لحاظ سے یہ خاندان قابلِ قدر ہے۔ بہار میں اردو زبان کے ارتقاء میں جن چند مشہور علماً اور شعراء نے فعال رول ادا کیا ان ناموں میں عطاحسین عطاء اور پیر اسحاق دمڑیا کا شمار ہوتا ہے۔آج بھی اس خاندان سے تحریک کا عمل جاری ہے۔اگر آپ جناب سید شاہ ذکا حسین صاحب کے بڑے صاحبزادے امتیاز حسین صاحب کا علمی وادبی ذوق کو ملاحظہ فرمائیں گے تو آپ کو ان کی علمی بصیرت معیار بلاغت مطالعہ ومشاہدہ پر کافی حیرت ہوگی۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی، سماجی، تاریخی تبدیلیاں آپ کا پسندیدہ مضمون ہے علمی ومعاشی اعتبار سے ہندوستان میں مسلمانوں کی پسماندگی کی کیا وجوہات ہیں اوراس کا حل کیا ہے اس عنوان پر آپ کی کافی لمبی بحث ہے زمینی اعتبار سے اس فکر پر عمل کرنا بظاہر مشکل نظر آتا ہے لیکن ناممکن نہیں، آپ فرسودہ نظریات پر بحث نہیں کرتے ہیں اس موضوع پر اپنا علمی مشاہدہ اوراس پر اپنی تشریح مختلف انداز میں پیش کرتے ہیں ان کی تحریریں اردو، انگریزی روزنامے میں اکثر شائع ہوتی رہتی ہیں علم وادب سے بھی خاصہ شغف ہے۔ بہار اورامتھوا دونوں اطراف سے ہمارا

خاندان قابل رشک ہے۔اگر آپ وراثت میں جاگیر کی طرح ادب کی منتقلی کے قائل ہیں تو یہ وراثت اس طرح مجھ تک منتقل ہوتی ہے مگر میں اس خاندانی وراثت کا کوئی حق ادا نہ کرسکا۔ میرا ادبی سفرنامہ آفتاب حسن کے ڈرائنگ روم سے شروع ہوکر بزم اتحاد کی چند نشستوں پر ختم ہوجاتا ہے میری بیاض بمشکل چند غزل، چند نظم اور کچھ قطعات پر مشتمل ہوگی ادب میں میرا کوئی متحرک رول نہیں ہے اور نہ مجھے کوئی توصیفی اسناد سے نوازا گیا ہے کوئی واقعہ بھی قابل ذکر نہیں جس سے میں اپنا قد بلند کرسکوں۔آج میں جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں میری کردار سازی میں جناب آفتاب حسن کا بڑا رول ہے۔

پھر مقصدِ حیات میں ترمیم ہوگئی
دستِ طلب پہ دستِ عطا رکھ دیا گیا

☆☆☆

کاتب کی کرامات

میں لکھ رہا ہوں دوستو اک ایسا واقعہ
سن کر جسے ہر ایک لگائے گا قہقہ
ہے داستاں کچھ ایسی یہ پُر کیف و پر اثر
ایوان قہقہہ میں بدل جائیں بام و در
وابستہ واقعہ ہے یہ ابّا حضور سے
لکھتے تھے ہر کلام جو عقل و شعور سے
طنزو مزاح رنگِ ظرافت تھا لاجواب
ہر اک غزل تھی عمدہ سخنور تھے کامیاب
انکا اگر نہ اسم گرامی لکھا کریں
اس واقعہ کو آپ لطیفہ پڑھا کریں
احمد تھا نام خود کو وہ احمؔق لکھا کیے
تیر ہدف وہ خود کو بناکر جیا کیے
اخبار ہفت روزہ تھا 'چٹنی' کے نام کا
اس میں نمونہ ملتا ہے ان کے کلام کا
ایک شاہکار نظم تھی ''زیب النسا مِری''

کاتب نے اس کو لکھ دیا ''جیون نشا مَریؑ''
سبجیکٹ ہی بدل گیا، عنواں نیا ہوا
شاعر غریب اک نئے چکر میں پھنس گیا
منکر خدا سے کردیا مذہب سے دین سے
اس کا نکاح کر دیا عبدالمتین سے
وقت نکاح قاضی بھی لایا گیا وہاں
شادی کا دین مہر دلایا گیا وہاں
جیون نشا پہ کتنے فرائض ہیں لازمی
قاضی نے سب بتا دئے جتنے تھے واجبی
حجت نماز و روزہ میں ہرگز نہ چاہئے
زیور پہ جو زکوٰۃ ہے وہ بھی نکالیے
یہ فرض لازمی ہے نہ اس کو قضا کریں
حج کی بھی بالضرور سعادت لیا کریں
یہ نظم پڑھ کے قاری تھے رنج وملال میں
شاعر نے کیوں پھنسا دیا مذہب کے جال میں
اخبار کا جو اگلا ایڈیشن نیا چھپا
اس نظم پہ تھی قاری کی تنقید جابجا
مذہب، شعور وعقل سے شاعر ہے بالا تر
اس واسطے خیال کی بندش بھی ہے لچر
جیون نشا کا دھرم ہے ثابت ہنود سے
کیوں کر دیا نکاح پھر آل سعود سے
احمق ہے نام ان سے حماقت ہے لازمی

میں نے پڑھی ہے نظم نہیں کوئی کام کی
اک مولوی نے اپنا یہ فتویٰ سنا دیا
باطل نکاح ان کا ہے کردو انہیں جدا
اک شر پسند نے تو یہ اعلان کر دیا
کھانی پڑے گی ان کو تو اب جیل کی ہوا
دیتا رہا ہے درس گوی اتحاد کا
اس کا ہے درشٹیکون مگر لو جہاد کا
اسکے لئے تو دیش کی دھرتی کریں گے تنگ
اس کی ویچار دھارا سے کرنی ہے ہم کو جنگ
اک معذرت پڑی تھی ایڈیٹر کے میز پر
اک محترم نے لکھا تھا شرما کے جھینپ کر
''چٹنی'' کا ذائقہ تو کریلے سے بڑھ گیا
ہر ڈش کے ذائقے کو کیا اس نے بدمزہ
دل پر نہ لیں ملال نہ ہرگز کوئی گزند
میں کر رہا ہوں اگلے مہینے شمارہ بند
باقی ہے جو رقم اسے اب کیش دیجئے
فکرِ معاش کرکے میاں عیش کیجئے
یہ رنج و غم ملال یہ دھمکی عجیب تھی
رکھ دی ہلا کے کھوپڑی شاعر غریب کی
قاری کے التفات پر وہ جھینپتا رہا
کاتب کے ''کارنامے'' کو وہ کوستا رہا
اگلا شمارہ اور بھی رنگین ہو گیا

شاعر کا اور مسئلہ سنگین ہو گیا
چٹنی کے پھر مدیر نے لکھی تھی من کی بات
لعنت ہزار نظم پہ بالکل ہے واہیات
ذہنی خلل نمایاں ہے اس کے بیان سے
یا پھر نسب ہے ملتا کہیں طالبان سے
میں متفق نہیں ہوں کسی فکر سے حضور
پر التماس قاری سے کرتا ہوں یہ ضرور
شاعر میں جانتا ہوں یہ گھٹیا خراب ہے
چٹنی کا ذائقہ تو مگر لاجواب ہے
علم و ادب میں طنز و ظرافت کا ہے سفیر
اپنی مثال آپ ہے بےمثل بے نظیر
تھوڑا زباں پہ رحم خدارا کیا کریں
ایسا نہ بائیکاٹ دوبارہ کیا کریں
جتنی شکایتیں تھیں سبھی دور ہو گئیں
ساری ڈیمانڈ آپ کی منظور ہو گئیں
☆☆☆

ایک قبر کے مردے سے ملاقات

گویا ہوا میں قبر کے مردے سے ایک دن
شب تھی، شب برات تھی، وہ تھا جمعے کا دن
مرہی، پٹاخہ، پھلجھڑی سب کچھ جلا چکے
حلوہ، پلاؤ، مرغ، پراٹھا اُڑا چکے
دل میں سمٹ کے آ گیا رشتوں کا احترام
سوچا کہ چل کے بانٹ دوں ان کو ثواب عام
شرما کے چھپ نہ جاؤں میں روزِ حساب میں
اپنا بھی نام درج ہو خانہ خراب میں
یہ سوچ کر میں گورِ غریبان کو چلا
منظر وہاں کا دیکھ میں نادم بہت ہوا
دشنام زندگی ہے نہ بدنام زندگی
کتنا سکون و چین ہے آرام زندگی

آغازِ گفتگو کیا بھائی نثار سے
پچھلے برس جو فوت ہوئے کالا زار سے
پہلے کیا سلام بہت احترام سے
پوچھا پھر ان کا حال بہت اہتمام سے
آئی صدا لحد سے یہ جاہ و جلال میں
تو آ کے کھو گیا ہے یہاں کس خیال میں
میں نے کہا کہ حال ہے کیسا جناب کا
در پیش مسئلہ تو نہیں کچھ عذاب کا
آیا مجھے جواب کہ ہم خیریت سے ہیں
دنیا سے جان چھٹی یہاں عافیت سے ہیں
دنیا کی کوئی فکر نہ جھنجھٹ نہ جھول جھال،
ڈاکہ زنی نہ لوٹ کا دل میں ہے احتمال
دنگا، فساد، ظلم نہیں، خوف قتل عام
ٹیڈی کفن کا سوٹ نہ ٹائی کا اہتمام
کس کی مجال چھیڑ دے بیوی رقیب کی
کٹتی نہیں ہے جیب بھی بھائی حسیب کی
قبضہ کسی کا ہوتا نہیں ہے پلاٹ پر
تیری بڑی ہے قبر تو مجھ کو الاٹ کر
چارا گھوٹالہ، روڈ کا ٹنڈر دبا گئے

مال غریب اور کفن مل کے کھا گئے
ہم گھومتے نہیں ہیں سیاست کی ریل میں
چلتا نہیں ہے دھندہ ملاوٹ کا، تیل میں
میکش شراب پی کے لڑھکتا نہیں یہاں
نکڑ، گلی، سڑک پہ بہکتا نہیں یہاں
مجنوں میاں کا راگ نہ لیلی کی داستاں
شب میں کسی کا فون بھی بجتا نہیں یہاں
الغرض سارا چست یہاں انتظام ہے
لیکن ترے جہاں میں تو جینا حرام ہے
سارے جہاں کو تو نے تماشا بنا دیا
تقسیم کرکے ملک بتاشا بنا دیا
مذہب کو تو نے بانٹ دیا ذات پات میں
دنگا، فساد، تو نے کیا کائنات میں
حبِ نبی، نہ خوف خدا یومِ حشر یاد
سارے جہاں میں پھرتا ہے ناکام و نامراد
بہتر ہے ہم نگل گئے کانٹے ببول کے
دوبارہ ہم نہ آئیں گے دنیا میں بھول کے

☆☆☆

الیکشن ہے دوبارا

عجب دلکش نظارے ہو رہے ہیں
الیکشن کے اشارے ہو رہے ہیں
قسم، وعدے، ارادے ہو رہے ہیں
نبھانے کے بھی وعدے ہو رہے ہیں

بلندی پر ہے قسمت کا ستارہ
چلے آؤ الیکشن ہے دوبارا

ہر اک پورا تمہارا خواب ہوگا
بدن پر ریشمی کمخواب ہوگا
میسر نان، مرغا، آب ہوگا
تکلف بر طرف احباب ہوگا

بلندی پر ہے قسمت کا ستارہ
چلے آؤ الیکشن ہے دوبارا

نہ ہوگی موت اب فاقہ کشی سے
نہ گھر برباد ہوگا خود کشی سے
ہر اک گھر میں بجیں گے شادیانے
نہ اُجڑیں گے تمہارے آشیانے

بلندی پر ہے قسمت کا ستارہ
چلے آؤ الیکشن ہے دوبارا

نہ آفس میں کبھی ہڑتال ہوگی
نہ جنتا اب کبھی کنگال ہوگی
ہر اک تھالی میں روٹی دال ہوگی
تمہاری زندگی خوشحال ہوگی

بلندی پر ہے قسمت کا ستارہ
چلے آؤ الیکشن ہے دوبارا

تمہارے حق میں ہر بل پاس ہوگا
تحفظ بیٹیوں کا خاص ہوگا
بڑھاپے کا نہ ستیاناس ہوگا
ضعیفی کا وظیفہ پاس ہوگا

بلندی پر ہے قسمت کا ستارہ
چلے آؤ الیکشن ہے دوبارا

گلی، نکڑ، سڑک تعمیر ہوگی
وطن کی اور ہی تصویر ہوگی
اگر پارٹی ہماری میر ہوگی
ریاست آپ کی جاگیر ہوگی

بلندی پر ہے قسمت کا ستارہ
چلے آؤ الیکشن ہے دوبارا

نہ بنئے سے کبھی تکرار ہوگی
نہ مہنگائی کی تم پر مار ہوگی
سہولت ہر طرح سرکار ہوگی
کھڑی در پر تمہارے کار ہوگی

بلندی پر ہے قسمت کا ستارہ
چلے آؤ الیکشن ہے دوبارا

نشانے پر لگا کر تیر دیں گے
کرائم کا کلیجہ چیر دیں گے
عدو کو ہم قفس زنجیر دیں گے
تمہیں قلیا، پلاؤ، کھیر دیں گے

بلندی پر ہے قسمت کا ستارہ
چلے آؤ الیکشن ہے دوبارا

فلک چومے گا آکر آستاں کو
زمیں پر کھینچ لوں گا آسماں کو
رکھوں گا میں سجا کر گلستاں کو
بنا دوں گا ارم ہندوستاں کو

بلندی پر ہے قسمت کا ستارہ
چلے آؤ الیکشن ہے دوبارا

شکاری جال پھر لایا پرانا
فریب دام میں ہر گز نہ آنا
قفس میں بیٹھ کر آنسو بہانا
بہت مہنگا پڑے گا آب و دانہ

اگر دانا ہو تم سمجھو اشارہ
بلندی پر ہے قسمت کا ستارہ

☆☆☆

O

نہ اطلاع یا کچھ خبر مذاق ہی مذاق میں
وہ بن گیا تھا ہم سفر مذاق ہی مذاق میں
جو بس کا ٹائر اڑ گیا تو کہہ دیا کہ بم پھٹا
گھڑی میں جل گیا نگر مذاق ہی مذاق میں
قصائی نے غضب کیا، مرے کو ذبح کردیا
سبھی نے کھایا بانٹ کر مذاق ہی مذاق میں
پتہ غلط جو ڈاکوؤں کو میں نے شب بتا دیا
مرا ہی گھر لٹا گیا مذاق ہی مذاق میں
ہماری دل لگی ہمیں ہی مہنگی پڑ گئی میاں
ہم آگئے زمین پر مذاق ہی مذاق میں
جو چالسی میں ہم گئے، تو کیک بھی کٹا وہاں
ہوا یوں مغربی اثر مذاق ہی مذاق میں
سنا جو ذکر حور کا تو اجتماع سے یوں اُٹھے
ہم آگئے خدا کے گھر مذاق ہی مذاق میں
دُلہن کا دین مہر بھی، جو بائی چیک دیا گیا
وہ چیک باؤنس تھا مگر مذاق ہی مذاق میں
یہ زندگی مذاق سے بھی پیشتر مذاق ہے
رکھوں کہاں کہاں نظر مذاق ہی مذاق میں
جناب والا شاعری مذاق میں نہ کیجیے
ہو جائیے گا بے اثر مذاق ہی مذاق میں

O

دعوت میں مولوی کو بلایا نہ جائے گا
مرغا کسی کا گھر سے چرایا نہ جائے گا
سرجن سے کہہ دو جا کے یہ ان کی ہے رہگزر
اس دل میں بائی پاس کرایا نہ جائے گا
حرفِ جلی سے لکھا تھا دوزخ کے گیٹ پر
لیڈر کو اب یہاں بھی بسایا نہ جائے گا
غربا کا مال، جھوٹی قسم، کھا گئے کفن
اب اور کیا بچا ہے جو کھایا نہ جائے گا
کیوں ڈائٹنگ پہ زور ہے بیگم کا اس قدر
کمرے کو اب کمر تو بنایا نہ جائے گا
آئی ندا کے بخش دو مظلوم ہے بہت
شوہر کو یومِ حشر ستایا نہ جائے گا
اگلے بجٹ میں سب کو موبائل فری ملے
اب دل کا یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا
غالب ہے رنگ اکبر و واہی کا شعر میں
شرمیلا شعر تیرا بھلایا نہ جائے گا

☆☆☆

ترکی بہ ترکی

میں دردِ دل بیاں کرنے جو پہنچا حکمرانوں میں
مرا بھی اک نشیمن ہو یہاں کے آشیانوں میں
مجھے اک منتری کی طنز میں ڈوبی صدا آئی
''تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں''

سنسد بھون

بیگم خدا کے واسطے رستہ نکالئے
اس طرح زندگی تو گزارہ نہ جائے گا
جوتے اچھالتی ہو ہر اک بات پہ غضب
سنسد بھون تو گھر کو بنایا نہ جائے گا

پنشن خوار بیوہ

پنشن ملے گی بیوہ کو اعلان ہوگیا
دفتر میں ایک بھیڑ سی آکر اُمنڈ پڑی
دیکھا جو غور سے تو ہوا راز منکشف
تھیں لڑکیاں کنواری ہر اک لائن میں کھڑی

دعوت ولیمہ

ٹیبل پر ایسے کارڈ تھے شادی کے کچھ پڑے
جن کا ولیمہ کھا کے دعا دے سکے نہ ہم
ان شادیوں کی مجھ سے نہ تفصیل پوچھئے
قیمت ادا وہ کر نہ سکے پیاز کی صنم

ڈاٹ فل شہری

دادا پریشاں حال ہیں اپنے مزار میں
دو پھول کون لائے گا اجڑے دیار میں
ابا کی ناگرکتا ہی جب ڈاٹ فل ہوئی
ہم آئیں گے بتایئے پھر کس شمار میں

ڈاکٹر کی فیس

یہ کہہ رہا تھا ڈاکٹر دل کے مریض سے
حرکت تو دل کو دے دیا میں نے نکال کر
بار گراں تھی فیس تکلف تھا درمیاں
اک رکھ لیا ہے گردہ، نہ رنج و ملال کر

وہ شمع نہیں ہیں کہ ہوں اک رات کے مہماں
جلتے ہیں تو ہم بجھتے نہیں وقتِ سحر بھی

شمع فروزاں

شمع فروزاں

اس عنوان کے تحت میں نے بزم اتحاد کے ان شعرا کا کلام پیش کیا ہے جن پر میں تاثراتی خاکہ پیش نہ کرسکا۔ یہ ہر لحاظ سے قابلِ قدر ہیں ان کے کلام اوران کی ادبی سرگرمی پر بہت کچھ لکھنا چاہئے تھا۔ لیکن وقت پر ان کا تعارفی خاکہ اور کلام نہ مل سکا۔ اس میں کچھ ہماری کوتاہی بھی شامل رہی ساتھ ہی مجھے ہمیشہ یہ احساس رہا کہ شاید میں اپنی علمی لیاقت کی بنیاد پر تمام شخصیتوں کا حق ادا نہ کرسکوں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر کسی کے اندر مطالعے کا فقدان ہو اور وہ ایک ہی عنوان کے تحت کئی مضامین لکھے گا تو وہ بار بار خود کو دہرائے گا اس طرح وہ اپنی اس حرکت سے ایک سنجیدہ قاری کو بدمزہ کردے گا۔ بہت حد تک میری بھی یہی کیفیت ہے۔ اس وجہ سے میں نے خود کو اس کام سے روک لیا۔ میں اس کتاب میں تمام شعراء کے کلام پر تاثراتی خاکہ پیش نہ کرسکا یہاں جتنی بھی شخصیات پر تاثرات پیش کیے گئے ہیں یہ قطعی اس بات کا ثبوت نہیں کہ یہ دوسروں سے الگ معیار رکھتی ہیں۔ میرا قلم کسی کا کوئی معیار پیش نہیں کرتا۔ شاعر کا کلام اس کے معیار کی اصل کسوٹی ہے میری نگاہ میں بزم کے تمام شعراء ہمارے لئے قیمتی ہیں۔ یہ سوچنا بھی میرے لئے سوہان روح ہے کہ میں کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دوں یا کسی کو نا قابلِ اعتنا سمجھ کر چھوڑ دوں میں انہیں مستقبل کیلئے محفوظ کر دینا چاہتا ہوں۔ میری یہی فکر تنویر ساکت صاحب سے دوبارا رجوع کا سبب بنی میں نے ساکت صاحب سے اس کا ذکر کیا تو وہ دوبارا ایکٹیو ہوئے لیکن نتیجہ خاطر خواہ برآمد نہ

ہوا کلام کی حصولیابی میں کافی دقت پیش آئی۔کچھ حضرات نے خود کو اس میدان سے علیحدہ کرلیا ہے یا پھر وہ اس قدر مصروف ہو گئے ہیں کہ ان سے چند منٹ گفتگو کرنا بھی مشکل ہے۔اس کتاب کی اشاعت میں قبل ہی کافی تاخیر ہو چکی تھی مجھے ڈر تھا کہ مزید تاخیر کتاب کے لطف کو بدمزہ نہ کردے اب میرے سامنے بس یہی ایک صورت تھی کہ میں گزشتہ کڑی کو موجودہ کڑی سے جوڑ دوں اس عنوان کے تحت زیادہ تر کلام گزشتہ سووینیر سے نقل کئے گئے ہیں۔

☆☆☆

حبیب دربھنگوی

(مدرس مدرسہ قومیہ، بہار شریف)

ساتھ ہے تیرا تصور لب پہ تیرا نام ہے
یاد مجھ کو پھر کہاں کہ صبح ہے یا شام ہے
بزمِ دنیا میں تمہاری یاد نے بخشا وہ رنگ
دل کا دامن خون کر کے خود ہوا بد نام ہے
پائیں گے اہلِ جنوں صحرا نوردی میں شفا
کیا ازل سے ہی یہی لکھا ہمارے نام ہے
صبح کی دوری میں ہے سورج کا بھی کوئی قصور
دامن شب کی درازی پہ ہی کیوں الزام ہے
کیسی ہے حرماں نصیبی بے رخی بے چارگی
اے جنوں عشق کیا تیرا یہی انعام ہے
بدگمانی سے ملا گلشن میں کانٹوں کو عروج
باغباں دیکھیں تمہاری باغبانی خام ہے
پہلوئے محبوب میں جن کی گزر ہوتی رہے
صبح ان کی صبح ہے اور شام ان کی شام ہے
جو کبھی بھولے سے بھی نہ یاد کرتا ہو حبیب
تیرے لب پہ کیوں اسی کا ذکر صبح و شام ہے

☆☆☆

حبیب دربھنگوی

(مدرس مدرسہ قومیہ، بہار شریف)

وہ میری بزم میں ایسے نقاب میں آیا
کہ جیسے ابر کا ٹکڑا ہو ماہتاب میں آیا
جو میں نے کہہ دیا کافر ادا تو کیوں بگڑے
تمہارا چار سو چرچا اسی خطاب میں آیا
یہ مانا میری خطا تھی کہ دل لگا بیٹھا
نظر وہ کیوں مجھے عہد شباب میں آیا
ہے اشک آنکھوں سے جاری تو دل ہے شعلہ فشاں
عجیب ربط ہے آتش کا موج آب میں آیا
سمجھ میں آ نہ سکا جس کا فلسفہ ابتک
حروف دل کا تعلق اسی کتاب میں آیا
نہ سینکڑوں نہ ہزاروں بلکہ لاکھوں میں
مرا ہی نام کیوں اس کے انتساب میں آیا
وہ شب شکن سے تھا اپنا لگاؤ کیسا حبیب
لہو کی شاخ پہ تنہا گلاب میں آیا

☆☆☆

اُردو

اشفاق چکدینوی
(چھوٹی شیخانہ، بہار شریف)

تہذیب کی پرور ہے تو عظمت کی نشاں ہے
اُردو جسے کہتی ہے یہ دنیا وہ زباں ہے

دامن ہے ترا علم و ادب فن سے مزین
تو جہل کی تاریکی میں اک شمع ہے روشن
آباد ترے دم سے ہے ہر علم کا گلشن

جھرنے کی طرح دہر میں ہر سو تو رواں ہے
اُردو جسے کہتی ہے یہ دنیا وہ زباں ہے

تہذیب و تمدن کی ثقافت کی امیں تو
افکار و خیالات ذہانت کی امیں تو
ہر فلسفی دانا کی عبارت کی امیں تو

دامن میں سمیٹے ہوئے تاریخ جہاں ہے
اُردو جسے کہتی ہے یہ دنیا وہ زباں ہے

پنہاں ہے زباں میں تری معشوق کی شوخی
الفاظ ترے ایسے ہیں جیسے کہ ہوں موتی
شائستگی ایسی کہ کرے رشک خموشی

شبنم کی بھی ٹھنڈک ترے لہجے میں نہاں ہے
اردو جسے کہتی ہے یہ دنیا وہ زباں ہے

ہیں داغؔ کی غزلیں کہ تری روح کی خوشبو
ہے میرؔ کی غزلوں میں ترے حسن کا جادو
نظموں کی قصیدوں کی بھی تو جان ہے اردو

تو حسن سراپا ہے ادا تیری جواں ہے
اُردو جسے کہتی ہے یہ دنیا وہ زباں ہے

آداب تکلم ہے تری گود کی کھیلی
اُلجھی ہے تری زلفوں سے خسروؔ کی پہیلی
جگ مگ ہے ترے نور سے امرا کی حویلی

شاہوں کی چہیتی ہے تو مفلس کی بھی جاں ہے
اُردو جسے کہتی ہے یہ دنیا وہ زباں ہے

غالبؔ کی غزل میں ترا انداز ہے پنہا ں
شاعر کے ترنم میں بھی آواز ہے پنہاں
نقاد کی تحریروں میں بھی راز ہے پنہاں

جو بات ہے تجھ میں وہ کسی میں بھی کہاں ہے
اُردو جسے کہتی ہے یہ دنیا وہ زباں ہے

اشفاقؔ ہے اپنا نہ ترا عرشؔ پرایا
تو نے تو گلے سب کو محبت سے لگایا
چکبستؔ کو سرشارؔ کو خوں اپنا پلایا

ناداں ہیں جو کہتے ہیں تو مسلم کی زباں ہے
اُردو جسے کہتی ہے یہ دُنیا وہ زباں ہے

☆☆☆

اشفاقؔ چکدینوی

چھوٹی شیخانہ، بہار شریف

گلوں کا ذکر کر اور چمن کی بات کرو
ہزار غم ہی سہی حسن ظن کی بات کرو
شب وصال میں کچھ تو ہو اہتمام جنوں
سرور و عشق و وفا بانکپن کی بات کرو
نہ کھل سکے گا کبھی راز دل خموشی سے
زباں تو کھولو ذرا اپنے من کی بات کرو
خزاں کے دور کے شکوے گلے سے کیا حاصل
بہار نو ہے اٹھو اب چمن کی بات کرو
ہو احترام سخنور سخن کی محفل میں
کلام میرؔ کی غالبؔ کے فن کی بات کرو
سکون قلب ونظر جس کے دم سے ہے اشفاقؔ
اسی کے شوخ لبوں اور دہن کی بات کرو

☆☆☆

اے مری اردو زباں

ناصر معین
(سلطان گنج، پٹنہ)

اے مری اُردو زباں
تیرے دشمن سب یہاں
تو بڑی معصوم ہے
کچھ تجھے معلوم ہے
تاج پوشی کیوں تری
اب تلک ہوتی رہی
اصل میں یہ بات ہے
ہر طرف ہی گھات ہے
جو بھی یاں بدنام ہے
اس کو کرنا نام ہے
لینا اپنا کام ہے
فکر صبح و شام ہے

تاج پوشی اس لئے
تیری سب کرتے رہے
تو سمجھتی پیار ہے
چاہ کا اقرار ہے
تجھ سے اُلفت ہے کہاں
غرض سب کی ہے نہاں
اے مری اُردو زباں
تیرے دُشمن سب یہاں
تجھ سے اُلفت بھی نہیں
تجھ سے رغبت بھی نہیں
تجھ سے چاہت بھی نہیں
ہے محبت بھی نہیں
کون تیرا یار ہے
تجھ سے کس کو پیار ہے
لوٹ کا بازار ہے
قوم کا بیوپار ہے
کہتا تجھ سے پیار ہے
وہ فقط مکار ہے
لب پہ تیرا نام ہے
زر کمانا کام ہے
راز طشت از بام ہے
تیرے اب اپنے کہاں

ہوگئی تو بے زباں
اے مرے اُردو زباں
تیرے دُشمن سب یہاں
کون ہے اب یاں ادیب؟
کون تجھ سے ہے قریب؟
سر پہ رقصاں برق ہے
اب تو بیڑا غرق ہے
سچے جو بھی ہیں ادیب
تجھ سے جو بھی ہیں قریب
تیرے اب جو ہیں رفیق
مہرباں ہیں اور شفیق
وہ نظر آتے نہیں
ہوگئے گوشہ نشیں
اب صحافت ہے کہاں
بس سیاست ہے یہاں
علم کا نام و نشاں
مٹ رہا ہے سب یہاں
تھا کبھی جو گلفشاں
چھاگئی اس پر خزاں
اے مری اُردو زباں
تیرے دُشمن سب یہاں
پر نہ ہو مایوس تو

پیدا ہوگا نیک خو
جس کو ہو گی جستجو
جو رکھے گا آبرو
جو تجھے اپنائے گا
زلف کو سلجھائے گا
پھر جوانی آئے گی
رُت سہانی چھائے گی
وہ گھڑی پھر آئے گی
حکمرانی لائے گی
ترک کر مایوسیاں
آ رہا ہے وہ زماں
لالہ و گل کا سماں
اے میری اُردو زباں
تیرے دُشمن سب یہاں

☆☆☆

ناصر معین

(سلطان گنج، پٹنہ)

غیروں پہ جان دے کوئی ایسا جگر کہاں
ملتا ہے اس جہان میں ایسا بشر کہاں
امن و اماں ہو اور ہو محفوظ زندگی
میرے وطن میں اب کوئی ایسا نگر کہاں
منزل اگر نہیں متعین تو قافلہ
بے مقصدِ حیات پھرے در بدر کہاں
شمعیں جلالو دل میں حفاظت کے واسطے
تاریکیوں میں سایہ ہے آتا نظر کہاں
قربانیاں ہی دے کے ملے گا تمھیں عروج
شاخیں کٹی ہیں صرف، کٹا ہے شجر کہاں
ہرگز نہ کیجیے کبھی صبحِ حسیں پہ ناز
قائم رہے ہمیشہ جو ایسی سحر کہاں
ہم نے لہو سے اپنے یہ سینچا ہے گلستاں
ورنہ یہ لالہ زار یوں آتا نظر کہاں

رہ کر بھی دور وہ مرے دل کے قریب ہے
کہنے کو ہے جدائی، جدائی مگر کہاں
ہاتھوں کے گرتے ہی وہ نگاہوں کے پاس ہو
میری دعاؤں میں بھلا ایسا اثر کہاں
کیا پوچھتا ہے مجھ سے مرا حال ہم نشیں
ناصرؔ کو آج خود ہی ہے اپنی خبر کہاں
☆☆☆

سکندر علی سائلؔ

(محلّہ چھجو، بہار شریف)

چھوڑی غزل تو شوخیِ تحریر کیا رہی
جب بولنے لگی تو وہ تصویر کیا رہی
دیکھا جو روز روز تو پھر خواب کیا رہا
مل ہی گئی تو خواب کی تعبیر کیا رہی
اُٹھی نہ اب تلک جو کبھی ظلم کے خلاف
بتلایئے کے آپ کی شمشیر کیا رہی
منصف کے زیرِ سایہ ملی جرم کو پناہ
قانون کیا رہا بھلا تعزیر کیا رہی
زخموں کو میرے آج بھی حاجت دوا کی ہے
کہیے دعا میں آپ کی تاثیر کیا رہی
لے آج تیرا سائلؔ دیوانہ مر گیا
آشفتگی بتا تری توقیر کیا رہی

☆☆☆

سکندر علی سائلؔ

(محلّہ چھجو، بہار شریف)

غضب ہے کیا تماشا ہوگیا
وہ اپنے گھر میں تنہا ہوگیا
یقیں کیوں ہو وہ ایسا ہوگیا ہے
بھلا کیسا تھا کیسا ہوگیا ہے
تعلق توڑ ڈالا ہے جو اُس نے
تو رشتہ اور گہرا ہوگیا ہے
گھرا ہے غم کے بحرِ بیکراں سے
مرا دل بھی جزیرہ ہوگیا ہے
ہٹا لو میز سے تصویر اب تو
کوئی بے وجہہ رسوا ہوگیا ہے
مری دیوانگی کے غم میں سائلؔ
زمانہ بھی دیوانہ ہوگیا ہے

☆☆☆

اسرار عالم سیفی

(پھلواری شریف، پٹنہ)

عرفان و آگہی کے انا کے خودی کے ہیں
آنسو جو چشم تر میں ہیں وہ بے خودی کے ہیں
اپنی لگائی فصل کو ہی کاٹتے ہیں لوگ
جو پیش مشکلات ہیں تحفے اسی کے ہیں
چہرہ تھکا تھکا ہے نظر بھی جھکی ہوئی
آثار کیوں جبیں پہ تری بے بسی کے ہیں
کل تک جو مل رہا تھا بڑے انبساط سے
انداز اس کے آج بہت بے رخی کے ہیں
جلتے ہوئے گھروں کے المناک سانحے
اک میرے علاوہ نہ جہاں میں کسی کے ہیں
جس سمت کی ہوا ہے ادھر کے ہوئے سبھی
حالات گرد و پیش یہی زندگی کے ہیں
سیفی غموں سے جان و جگر ہے لہو لہو
کچھ دُشمنی کے زخم ہیں کچھ دوستی کے ہیں

☆☆☆

اسرار عالم سیفیؔ

(پھلواری شریف، پٹنہ)

نہ جانے کس کی شہ پر بولتا ہے
وہ پتھر کو جواہر بولتا ہے
نیا پیسہ ہوا ہے جب سے اس کو
وہ اپنے قد سے بڑھ کر بولتا ہے
کبھی امی کو کہہ دیتا ہے دائی
کبھی ابو کو نوکر بولتا ہے
بڑھا کر بولنا ہے اس کی عادت
وہ قطرے کو سمندر بولتا ہے
شب غم یوں نہ تنہا چھوڑ کر جا
کوئی یہ دل کے اندر بولتا ہے
بھروسہ کچھ نہیں ہے زندگی کا
یہی یادوں کا دفتر بولتا ہے
عدو بھی سن کے تیرے شعر سیفیؔ
تجھے اچھا سخنور بولتا ہے

☆☆☆

رضی الدین رضیؔ

(محلّہ عماد پور بہار شریف)

کچھ ان سے کہہ سکوں مری ہمت نہ ہو سکی
شکوہ بہ لب تھا پھر بھی شکایت نہ ہو سکی
سوچا تھا دل کے پھول کھلیں گے بہار میں
لیکن یہ فصل باعثِ راحت نہ ہو سکی
ہر رات جام و مینا سے توبہ کیا مگر
پینے کی دور اپنی یہ عادت نہ ہو سکی
سب کچھ لٹا دیا جسے پانے کی چاہ میں
اس بے وفا کو میری ہی چاہت نہ ہو سکی
ہونٹوں پہ لگ گئی جو مرے مہر خامشی
ان پر عیاں کبھی مری حالت نہ ہو سکی
پھولوں کی سیج پر بھی وہ بے چین ہی رہی
کانٹوں پہ رہ کے مجھ کو اذیت نہ ہو سکی
کرتا رہا ہے خدمت شعر و سخن رضیؔ
حاصل اسے مگر کوئی شہرت نہ ہو سکی

☆☆☆

زٹلؔ بہاری

(محلّہ عماد پور بہار شریف)

گر نکتہ سکھا دو تم الفت کا چچا کوئی
چچی کی طرح مجھ پر ہوجائے فدا کوئی
ہر ڈسکو گویئے کا تم رقص ذرا دیکھو
شادی میں کسی دھوبی کی، ناچے ہے گدھا کوئی
چل کر کسی ہوٹل میں اظہار وفا کر لیں
چوری کی محبت میں آتا نہ مزا کوئی
اس دور کے مجنوں تو ہیں جسم کے طالب سب
لیلیٰ کی محبت میں اب تک نہ مرا کوئی
میں خانۂ جاناں میں کھڑکی سے جوں ہی کودا
ہنگامہ ہوا برپا ''اک چور گھسا'' کوئی
خیرات نہ دینے پر مرنے کی دعا پائی
''اس دور میں دیتا ہے جینے کی دعا کوئی''
کٹھ ملوں کی باتوں میں آنا نہ زٹلؔ ہرگز
مسئلہ ہی پلٹ دیں گے، چائے پلا کوئی

نوٹ:- یہ شوخ رنگ بھی جناب رضی الدین رضی صاحب کا ہے۔ محترم مزاح میں زٹل بہاری کے نام سے لکھتے تھے آج کل آپ نے خود کو شعر وسخن سے علیحدہ کر لیا ہے۔

سید عمر دراز عمرؔ

(محلّہ بارہ دری، بہار شریف)

جو بھی ترے قریب ہوتا ہے
وہ بڑا خوش نصیب ہوتا ہے
تری دہلیز پر نہ جانے کیوں
دل کا عالم عجیب ہوتا ہے
میرے احوال عشق پر یارو
محو حیرت رقیب ہوتا ہے
جس کا کوئی نہیں زمانے میں
اس کا خالق طبیب ہوتا ہے
جان دینا ہے جو محبت میں
وقت کا وہ نقیب ہوتا ہے
بات کرتا ہے اس سلیقے سے
جیسے کوئی خطیب ہوتا ہے
دل غنی کیوں نہ ہو عمرؔ اس کا
جو بھی رب کے قریب ہوتا ہے

☆☆☆

سید عمر دراز عمرؔ

(محلّہ بارہ دری بہار شریف)

تُو جو شیریں کلام ہو جائے
ساری دنیا غلام ہو جائے
خدمت خلق کا جو ہو جذبہ
خلق کا وہ امام ہو جائے
کامرانی ترا قدم چومے
گر تمیز حرام ہو جائے
باد صرصر چلے وہی پھر سے
غیب سے انتظام ہو جائے
آپ کا ہو گیا کرم جس دم
اک اشارے میں کام ہو جائے
جس نے کی پیروی محمد کی
خلد اس کا مقام ہو جائے
کون جانے عمرؔ کہ کب تیری
زندگی کی وہ شام ہو جائے

☆☆☆

شمیمؔ سکونتوی

(محلّہ سکونت کلاں بہار شریف)

ڈھونڈتے ہو جسے خیالوں میں
وہ ابھی بند ہے کتابوں میں

تو پلائے تو زہر بھی پی لوں
نشہ باقی نہیں شرابوں میں

مل کے بھی نہ ملی اسے منزل
گھومتا جو رہا سرابوں میں

خار کا تذکرہ بھی آئے گا
شور اُٹھے گا جب گلابوں میں

ذکر تہذیب کیا شمیمؔ کرے
ہے یہ محفوظ سب کتابوں میں

☆☆☆

شمیمؔ سکونتوی

(محلّہ سکونت کلاں بہار شریف)

شمع غم خود آنگنوں میں تو جلا کر دیکھئے
دار پر بھی ہو سکے تو مسکرا دیکھئے

زندگی کے ساز پہ پھر ناچ اٹھے گی حیات
گیت کوئی تو خوشی کا گنگنا کر دیکھئے

سر جھکانا اور اٹھانا ہی نہیں ہے زندگی
بارگاہ ایزدی میں سر جھکا کر دیکھئے

خون دل سے سینچئے سوکھا ہوئے نخل امید
ریگ زار زندگی میں گل کھلا کر دیکھئے

جل کے بجھنا تو چراغوں کا مقدر ہے شمیمؔ
شمع آندھی کی محبت میں جلا کر دیکھئے

☆☆☆

آصف علی طالبؔ

(محلّہ گوڑا اگڑھ، بہار شریف)

عشق تو عہد جوانی میں مزا دیتا ہے
اور پھر بعد میں دل سوز سزا دیتا ہے
اک ستم یہ بھی کہ وہ مجھ کو بنا کر اپنا
دل کی چنگاری کو اک شعلہ بنا دیتا ہے
خودبخود پاؤں بہکتے ہیں قدم رکھتے ہی
جام نظروں سے کوئی جب بھی پلا دیتا ہے
تیری زلفوں کی گھٹاؤں سے ٹپکتا پانی
آگ سینے میں مری جان لگا دیتا ہے
دور تجھ سے جو رہا میں تو سمجھ میں آیا
فاصلہ عشق میں شدت کو بڑھا دیتا ہے
عشق کرنا تو ہے آسان نبھانا مشکل
راہ دشوار ہے اتنا کہ ہلا دیتا ہے
حوصلہ رکھنا بھی چاہے تو کوئی کیا چاہے
حشر فرہاؔد کا جب کوئی بتا دیتا ہے
کیفیت دل کی سنانا نہیں آساں طالبؔ
ایک اک لفظ مرے ہوش اڑا دیتا ہے

☆☆☆

ماسٹر شہزاد تنہاؔ

(محلّہ شیخانہ خرد، بہار شریف)

میری غزل کہیں بھی سنا دیجئے گا آپ
محفل میں اپنا رنگ جما دیجئے گا آپ
بیوی ہو گر حسین پڑوسی خراب ہو
دیوار پہ کرنٹ لگا دیجئے گا آپ
رشتے میں جا رہے ہیں تو لڑکی کے باپ کو
شاعر ہوں یہ ضرور بتا دیجئے گا آپ
سالا جو آیا گھر میرے میڈم کی ہے یہ ضد
کپڑا ضرور اس کو سلا دیجئے گا آپ
سنڈے ہے آج میں تو چلی سیر کو حضور
کھانا بنا کے سب کو کھلا دیجئے گا آپ
احسان آپ کا نہ یہ بھولے گا عمر بھر
تاڑی اگر ادھار پلا دیجئے گا آپ
تنہاؔ کو تنہا چھوڑ کے جانے کدھر گئی
آئے نظر کہیں تو پتا دیجئے گا آپ

☆☆☆

زندگی جن کے تصور سے جلا پاتی ہے
ہائے کیا لوگ تھے جو دام اجل میں آئے

یادِ رفتگاں

یادِ رفتگاں

یہاں ان شعرا کے کلام کو شامل کیا گیا ہے جو کبھی بزم کی رونق ہوا کرتے تھے۔ اب ہمارے درمیان نہیں رہے ان کی یادیں ہی باقی رہ گی ہیں۔ یہ اس کہکشاں کے وہ درخشندہ ستارے تھے۔ جنہیں موت کے آہنی پنجے نے لپک لیا۔ آج بھی ان کے اشعار میری سماعت سے ٹکراتے ہیں۔ کاش وہ کلام کتابی شکل میں ہمارے پاس محفوظ ہوتے۔ ان کے لب و لہجے، علامتی وجود اور جذبات کے اظہار سے ایک نئی فکر ابھرتی ہم ان کے تخیل، تقدس، علمیت، تیور، سے کوئی خوبصورت پیکر تراشتے لیکن صد افسوس مستقبل میں بھی یہ صورت نظر نہیں آتی کہ ہم ان کے شعری مجموعے سے مستفیض ہوسکیں۔ یہ صرف میرے لئے ایک سوالیہ نشان نہیں ہے یہ سوال تمام احباب کے لئے بھی ہے۔

ہماری بدقسمتی دیکھئے ہم ایک طرف ان تصاویر سے زمانے کی گرد جھاڑ رہے ہیں جو کبھی کی پیوندِ خاک ہوچکی ہیں لیکن وہ تصویر جو ہمارے سامنے آویزاں ہے اس پر کوئی توجہ نہیں کرتے اس میں بہت حد تک ہمارے شعراء کا بھی قصور ہے یہ حضرات شاعری کو صرف اپنی تفریح وطبع کا سامان سمجھتے آئے ہیں انہیں کبھی توفیق نہیں ہوتی کہ وہ اپنی چیزوں کو محفوظ کر جائیں۔ ایسی حالت میں اردو کی یہ گراں قدر وراثت اگلی نسل کو منتقل ہونے کے بجائے کہیں دفینے میں دفن ہوجاتی ہے۔ فن کے لحاظ سے اس کارنامے کو ضائع نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ہمیں محبوب ومرغوب ہیں اس قیمتی اثاثہ کو محفوظ کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ ان شعرا کے کلام کے تحفظ کا پہلا فرض ان کے ورثا کا ہے لیکن بعض حضرات کو ان چیزوں سے دلچسپی نہیں

ہوتی یا پھر اس کام کے لئے ان کے حالات موافق نہیں ہوتے ۔اس طرح کی صورت حال میں وہ حضرات جو تا حیات کسی بزم یا انجمن سے منسلک رہے ان کے کلام کی اشاعت کی ذمہ داری اس بزم کا اخلاقی فریضہ ہے۔ بزمِ اتحاد اس ذمہ داری سے خود کو علیحدہ نہیں رکھ سکتی۔ میں جانتا ہوں یہ کام آسان نہیں ہے فنڈ کی فراہمی ایک بڑا مسئلہ ہے لیکن اس تجویز پر سنجیدگی کے ساتھ غور کیا جائے تو یہ کام ناممکن بھی نہیں۔

☆☆☆

ڈاکٹر انعام الحق اختؔر

بزم اتحاد نالندہ کے بانی میں آپ کا نام سرفہرست آتا ہے۔ لائف انشورنس میں ملازمت تھی۔ ساری عمر بزم سے وابستہ رہے۔ ابتدائی دور میں بزم اتحاد کے نائب صدر کی حیثیت سے اردو کی خدمت انجام دی۔ اشعار بھی عمدہ کہتے تھے۔ آپ کے انتقال کے بعد آپ کا کوئی مجموعۂ کلام منظر عام پر نہ آسکا۔

☆

مسافر زندگی ہے یہ سفر انجام ہوجائے
مبادہ چلتے چلتے راستے میں شام ہوجائے
کسی چہرے پہ قطروں نے عبارت اس طرح لکھ دی
نہاں جو راز تھا کل تک وہ طشت از بام ہو جائے
سمیٹے اپنا دامن اس طرح چلئے زمانے میں
نہ یوسف کی طرح یہ مورد الزام ہوجائے
خموشی کا شہر ہے دل دبے پاؤں یہاں چلئے
کہیں ایسا نہ ہو آخر وفا بدنام ہوجائے
جدول زندگی رکھئے تو ہر مشکل بھی آساں ہے
بنے گا آئینہ حجت کا جب اتمام ہوجائے
امن کا گیت گانے والو! تم ہم سے بصیرت لو
یہی پھر سارے عالم کے لیئے پیغام ہوجائے
نہیں خوگر ہے اختؔر سرفروشی کا کبھی لیکن
جھکا دی اس لیے گردن کہ تیرا کام ہوجائے

نثار احمد مائلؔ بہاری

آپ کا پورا نام نثار احمد تھا۔ ادب میں نثار احمد، مائل بہاری کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کی یوم پیدائش 19 نومبر 1941 لکھی چک (نالندہ) کی ہے آپ کی درسی تعلیم مدرسہ کی تھی ادبی زندگی کا آغاز 1953 میں ہوا۔ آپ ابتدائی دور میں شبنمؔ بہاری کے نام سے لکھتے رہے لیکن پھر بعد میں مستقل مائلؔ بہاری کے نام سے لکھنے لگے۔ مائل بہاری کو محبان اردو سے کافی عقیدت تھی۔ شعر گوئی کو تفریح وطبع کا سامان نہیں سمجھتے تھے۔ عمدہ شاعر تھے۔ آپ کی شاعری میں اخلاقی تنزلی، درد وکرب، معاشرے کی اصلاح کا پہلو صاف نظر آتا ہے۔ مختلف رسائل وجرائد میں آپ کی تخلیقات شائع ہوتی رہتی تھیں۔ بزم سے آخری ایام تک جڑے رہے۔ مائل بہاری کا انتقال 23 جنوری 1992 کو محلّہ خانقاہ بہار شریف میں ہوا۔ آپ کا انتقال بزم کے لئے عظیم سانحہ تھا۔

☆

امیر بحر ہیں امواج بیکراں ہم ہیں
ریاض دہر میں سچ پوچھو گلفشاں ہم ہیں
ہمیں شعور عطا کی گئی ہے انسانی
بشر ہیں لیکن فرشتوں سے کم کہاں ہم ہیں
زمین و آسماں شجر و حجر کریں سجدے
اگر یہ جان لیں کہ فخر دوجہاں ہم ہیں
کرو جو خود کا مطالعہ تو شرم آجائے
عناد بغض میں ڈوبے ہوئے میاں ہم ہیں
کرے جو توبہ گناہوں سے تو اگر مائل
خدا رحیم ہے رحمت سے کب براں ہم ہیں

عبدالحفیظ حفیظؔ

آپ کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی کوئی مستند علمی سند نہیں تھی لیکن ذہانت بلا کی پائی تھی۔ بعض دفعہ آپ کے اشعار سامعین کو چونکنے پر مجبور کر دیتے تھے۔ تاحیات مسلم ہندی صاحب کے تلامذہ میں شامل رہے۔ اخبار بینی آپ کا روز کا معمول تھا۔ اخبار کا ادبی گوشہ شوق سے پڑھتے تھے۔ مشہور شعراء کے کلام خوب یاد تھے۔ ادب سے اس قدر دلچسپی تھی کہ صحت کی خرابی کے باوجود کوئی مقامی مشاعرہ ناغہ نہیں فرماتے تھے۔ بہار شریف محلّہ گوڑا گڑھ آپ کا مستقل مسکن تھا۔

☆

اپنی آنکھوں کا پلا کر جام رندانہ مجھے
فکر وفن سے کر دیا ساقی نے بیگانہ مجھے
کل تلک جو دیتے تھے پھولوں کا نذرانہ مجھے
آج پتھر مارتے ہیں کہہ کے دیوانہ مجھے
عشق کی منزل میں اپنا عزم ہے اتنا بلند
راہ الفت میں نہ آیا غم سے گھبرانا مجھے
اس لئے دیتا ہے ساحل میری کشتی کو پناہ
بحرِ غم میں آتا ہے طوفاں سے ٹکرانا مجھے
محفلِ شعر وسخن میں اے میری جان غزل
تیری صورت دیکھ کے لوگوں نے پہچانا مجھے
میکدہ میں ساقیا کے پی کے بھی دیکھا حفیظؔ
راس آیا ہی نہیں اُلفت کا پیمانہ مجھے

فصیح الدین فصیحؔ

آپ طنز و مزاح کے بہترین شاعر تھے۔ مقامی مشاعرے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے۔ مجھے سماعت کا کم موقع ملا درس و تدریس آپ کا پیشہ تھا۔ آپ کی جائے پیدائش محلّہ چھجو کھاری کنواں بہار شریف کی ہے۔ آپ کے والد کا نام مولوی عبدالمجید تھا۔ فصیحؔ صاحب دوران ملازمت ۲۸ اپریل ۲۰۱۱ عیسوی کو انتقال فرما گئے۔

جی رہے ہیں لوگ سارے بے سرو سامان کے
اور دعوے ہو رہے ہیں دیش کے اتھان کے
مشتمل ہے اپنا کنبہ بیس کی تعداد پر
ہم بھی چھوٹی فیملی والے ہیں ہندوستان کے
تھک گیا ہوں کھاتے کھاتے کھچڑی میں اسکول کی
ذائقہ کچھ تو ملے اب مرغ، ماہی، نان کے
راہ میں مل جائے گا وہ دھوپ کی شدت لئے
میں بھی نکلا ہوں سفر میں امبریلا تان کے
اک قیامت ہی تو گزری بیچ رستے میں صنم
روبرو ہوکر جو تو نے آنکھ ماری جان کے
جانتا ہوں وہ ہنر کے دور کر دوں ہر بلا
چاہئے اک سرخ مرغا اور پتے پان کے
چرمرا کر رہ گئی ہے دیش کی حالت فصیحؔ
ہو رہے ہیں اپ ہرن اب اس لئے دھنوان کے

☆☆☆

سید شاہ فضل محمد

آپ کا آبائی وطن شاہو بیگھا ضلع جہان آباد ہے۔ علامہ اقبال کے ہمعصر شاعر علامہ فضل حق آزاد عظیم آبادی آپ کے دادا ہیں۔ فضل حق آزاد عظیم آبادی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ نہایت باصلاحیت قادرالکلام شاعر، زبردست ناقد، اور عالم تھے۔ آپ کو شاعری کی زیادہ تر اصناف پر دسترس حاصل تھی۔ بعض ناقدین کی نگاہ میں آپ کا مرتبہ شاد عظیم آبادی سے بھی بلند ہے۔ فضل حق آزاد کو حرمین الشریفین میں امامت کا بھی شرف حاصل ہے۔ فضل حق جس مقام کے متحمل تھے وہ مقام آپ کو نہ مل سکا۔ شاد عظیم آبادی سے آپ کی شاعرانہ چشمک کافی مشہور ہے۔ فضل حق آزاد کا شعری مجموعہ ''مطالعہ آزاد'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے لیکن اب وہ کمیاب ہے۔ عزیز الحق عزیز عظیم آبادی فضل حق آزاد کے فرزند تھے۔ یہ سید شاہ فضل محمد صاحب کے والد بزرگوار ہیں۔ عزیز صاحب کو شاعرِ خمریات کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اردو ادب میں خمریات پر ان سے زیادہ رباعی کسی شاعر نے تخلیق نہیں کی۔ عزیز عظیم آبادی کے انتقال کے بعد آپ کا دو شعری مجموعہ ''سیل آتش، اور'' آتش نم'' کے نام سے شائع ہوا۔ ان مجموعے کی اشاعت میں شاہ فضل محمد صاحب کی جان توڑ محنت شامل ہے۔

شاہ فضل محمد صاحب خود بھی ایک اچھے شاعر و ادیب تھے۔ ابتدائی دور میں بزم اتحاد کے سرپرست بھی رہے۔ لیکن مسلم ہندی صاحب سے اختلاف کی بنیاد پر بزم سے

الگ ہوگئے۔ آپ کا انتقال ایک لمبی بیماری کے بعد نانیہال محلّہ دائرہ بہار شریف میں ہوا یہ آپ کا مستقل مسکن بھی تھا۔ آپ کی تدفین محلّہ دائرہ قبرستان میں عمل میں آئی۔ شاہ فضل محمد صاحب کی شناخت جہاں علم وادب سے تھی وہیں عوامی سطح پر آپ پیر وصوفی کی حیثیت سے زیادہ مشہور تھے۔ ربیع الاوّل کے موقع پر آپ کافی آب وتاب سے زیارت اور میلاد کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ مریدان کا کافی وسیع حلقہ تھا۔

☆☆☆

خاموش سہی مرکزی کردار میں ہم تھے
پھر کیسے بھلا تیری کہانی سے نکلتے

مہمان شعراء

مہمان شعراء

میں نے یہاں اس عنوان کے تحت ان مہمان شعراء کا کلام شامل کیا ہے جو باضابطہ بزم کی نشستوں میں شریکِ بزم رہے ہیں۔ انہیں اردو اور محبانِ اردو سے حد درجہ عقیدت رہی ہے۔ یہ اردو کی بقا اور سالمیت کے لئے علمی اور عملی ہر اقدام کو جائز سمجھ کر سرگرداں رہے ہیں انہوں نے اپنے ذوق کی آبیاری اور ہماری حوصلہ افزائی کے لئے موسم کی پرواہ نہ کی سفر کی صعوبت کو برداشت کیا کبھی نشت میں شرکت کے لئے نہ اپنی فیس طلب کی اور نہ ہی آمد ورفت کا خرچ بزم کے ذمے ڈالا۔ یہ حضرات اپنے نام ونمود کے لئے کسی اسٹیج کے محتاج نہیں تھے علم وشہرت دونوں اعتبار سے آپ کا قد کافی بلند تھا۔ ان لوگوں کا مقصد خالص ادب کی خدمت تھی۔ یہ تعداد دس بیس پر نہیں ٹھہرتی اگر ذہن پر زور دیا جائے تو یہ تعداد پچاس کی گنتی کو تجاوز کر جاتی ہے۔ بزم اتحاد کی نشستوں میں مستقل شریک رہنے والے حضرات میں ایک بڑی تعداد بزمِ ثاقب کے شاعروں کی تھی سید سعید رضا گہرؔ عظیم آبادی، شفیع احمد فاطمی، عبدالرزاق پیکرؔ رضوی، استادؔ پٹنوی فی الحال یہ چند نام میرے حافظے میں محفوظ ہیں۔ گہرؔ عظیم آبادی اور فاطمی صاحب کے انتقال کے بعد اس میں کمی آگئی لیکن آج بھی بزم کی کشش اپنے اسیرانِ محبت کو کھینچ ہی لیتی ہے۔ بزم کا دائرہ صرف نالندہ یا عظیم آباد کے حدود تک محدود نہیں رہا۔ اس چمن کی خوشبو نے بنگال، یوپی تک کے اہلِ قلم کو متاثر کیا اشرفؔ یعقوبی، مشتاق افضل، گوہرؔ شیخوپوری، رئیسؔ اعظم حیدری، کی تشریف آوری اس بات کا بعین ثبوت ہے کہ بزم اور ارکان بزم اپنے مقاصد میں بہت حد تک کامیاب ہیں۔

میں نے یہاں جتنے بھی کلام کو نقل کیا ہے یہ تعداد کسی قدر ان مہمان شعراء کی گنتی کو پورا نہیں کرتی۔ اس کا سبب میری کوتاہی نہیں کلام کی حفاظت کا مسئلہ ہے۔

☆☆☆

سید حسن نواب حسنؔ

(پٹنہ، بہار)

نہ وہ زمین میں تھا اور نہ آسمان میں تھا
کبھی یقیں میں مرے تھا کبھی گمان میں تھا
میں ایک جال لئے عمر بھر بھٹکتا رہا
پرندہ دور بہت دور آسمان میں تھا
میں روز گھر سے نکلتا تھا ڈھونڈھنے کے لئے
مکین بن کے وہ خود میرے ہی مکان میں تھا
میں کاش بند دریچے سے جھانک ہی لیتا
وہ میرے کمرے کے اندر ہی سائبان میں تھا
ادھورا پڑھ کے اسے لوگ رہ گئے ورنہ
ہمارا ذکر بھی کچھ اس کی داستان میں تھا
خطا خود اپنی نگاہوں کی تھی حسنؔ ورنہ
وہ میرے جسم میں تھا وہ تو میری جان میں تھا

☆☆☆

شفیع احمد فاطمی

(پٹنہ، بہار)

دستِ فضا اُتار دے طائر کے سر کا بوجھ
ننّھی سی جاں لئے ہے بڑا بال و پر کا بوجھ
ہے ذہن و دل پہ خطرۂ دیوار در کا بوجھ
ہم پر گراں ہے آج ہمارے ہی گھر کا بوجھ
اہلِ ہنر سمیٹے ہوئے ہیں ہنر کا بوجھ
ڈھوتی ہے جیسے کوئی انگوٹھی گہر کا بوجھ
پلکوں پہ اپنی خود ہی سمندر سنبھالئے
لیتا یہاں ہے کون کسی چشم تر کا بوجھ
اک دوسرے کی راہ کا پتھر بھی کیوں بنے
بانٹے اگر بشر نہ یہاں پر بشر کا بوجھ
منزل پکارتی ہے تو چل، خالی ہاتھ چل
ناداں بڑھا سفر میں نہ زادِ سفر کا بوجھ
تنہا روی کا ہم میں سلیقہ ہے فاطمی
ہم کس لئے اٹھائیں کسی راہبر کا بوجھ

☆☆☆

سید سعید رضا گہر عظیم آبادی

(پٹنہ، بہار)

ہر گام مرے ساتھ چلا میں جدھر گیا
جب میں ٹھہر گیا تو زمانہ ٹھہر گیا

تیرا خیال ہجر میں یہ کام کر گیا
بے رنگئی حیات میں پھر رنگ بھر گیا

خود اپنے حال پر ہی توجہ نہ ہو سکی
ورنہ مری نظر سے زمانہ سنور گیا

سچ پوچھیے تو نبض کا رکنا نہیں ہے موت
احساس مر گیا ہو تو انسان مر گیا

ہے یار تیری یاد کی تابانیاں لئے
میں ظلمتوں کا چیر کے سینہ گزر گیا

معراج عشق ہے کہ ہمیشہ ہرا رہے
وہ زخم کیا جو وقت کے مرہم سے بھر گیا

آیا خیال دل میں جو توہین عشق کا
پلکوں پہ آ کے خون کا دریا ٹھہر گیا
دریا کو پھر سکوت کا عالم نصیب ہے
کشتی کو غرق کر کے وہ طوفاں کدھر گیا
رسوائیاں ملی تھیں جہاں آج پھر وہاں
کچھ مصلحت کے پیش نظر میں گہر گیا

☆☆☆

عبدالرزاق پیکر رضوی

(پٹنہ، بہار)

عزیز ان کے یہ تحفے ہیں ہم کو جاں کی طرح
ہمارے زخم مہکتے ہیں گلستاں کی طرح

چمکتے حوصلے اپنے ہیں کہکشاں کی طرح
زمیں کی گود میں رہتے ہیں آسماں کی طرح

رہ حیات میں ہم لوگ ہیں کساں کی طرح
سروں پہ دھوپ کا سایہ ہے سائباں کی طرح

نہ کیوں جمی ہو نظر ان پہ آسماں کی طرح
میں ایک ذرۂ خاکی وہ کہکشاں کی طرح

ہیں چار تنکے گرے بھی تو پھر اٹھالوں گا
بنائے گھر تو کوئی میرے آشیاں کی طرح

ہر ایک قطرے میں پنہاں ہے درد دنیا کا
ہمارے اشک بھی ہیں بحر بیکراں کی طرح

روا روی میں جو کہہ دی ہے میں نے راز کی بات
اسے سنبھال کے رکھئے گا رازداں کی طرح

ابھی بھی قدر ہے میری جہاں کی منڈی میں
میں چل رہا ہوں یہاں سکۂ رواں کی طرح

وہ جس کے نام سے ہر قافلہ لرزتا تھا
وہ کارواں میں ہے اب میر کارواں کی طرح

سبھوں کو شہر خموشاں میں گھر بنانا ہے
مکاں ہیں سب کے یہاں عارضی مکاں کی طرح

نکل سکے تو کوئی حل نکال لو رضویؔ
یہ زندگی ہے تمہاری بھی چیستاں کی طرح

☆☆☆

نعت

سید فرید الحق فریدؔ عمادی
(پٹنہ، بہار)

دل کی دنیا جگمگانا چاہئے
یادِ سرور سے سجانا چاہئے
در پہ ان کے سر جھکانا چاہئے
اپنی قسمت یوں بنانا چاہئے
کرکے اُلفت سرورِ کونین سے
عشق کی دنیا بسانا چاہیے
مرحبا! نور حبیب اللہ کو
گوشۂ دل میں سمانا چاہئے
نام لے لے کر رسول اللہ کا
آئینہ دل کو بنانا چاہئے
ہے حقیقت مومنوں کو سر کے بل
روضۂ آقا پہ جانا چاہئے

عدل فاروقی کا نقش کھینچ کر
رحم کا گلشن بنانا چاہیے
گر میسر ہو پسینہ آپ کا
عطر کے بدلے لگانا چاہیے
یاد کرکے سرور کونین کو
لذّت ایمان پانا چاہیے
دامنِ سرکار کا ہم کو فریدؔ
حشر کے دن شامیانا چاہیے

☆☆☆

لطیف شمسی انجم کاکوی

(کاکو، بہار)

وہ پاس ہیں لیکن مجھے تسکین نہیں ہے
شاید کہ محبت کا یہ آئین نہیں ہے

کب سے سرِ میخانہ تہی جام کھڑا ہوں
کیا اس میں تیرے ظرف کی توہین نہیں ہے

اُس باغ میں لایا ہے مجھے شوقِ نظارہ
جس باغ کا اک پھول بھی رنگین نہیں ہے

کہنے دو جو کہتا ہے برا مجھ کو زمانہ
یہ بات کوئی باعث توہین نہیں ہے

میں اُن سے غمِ ہجر کا شکوہ نہ کروں گا
اربابِ محبت کا یہ آئین نہیں ہے

اب ان کی تسلی سے تشفی نہیں ہوتی
اب ان کی توجّہ سے بھی تسکین نہیں ہے

درکار ہے کُچّھ اور ابھی خونِ تمنّا
تصویرِ محبت ابھی رنگین نہیں ہے

کچھ تم نے تغافل میں کمی تو نہیں کر دی
کیا بات ہے کیوں دل مرا غمگین نہیں ہے

انجم کو جو بے دین سمجھتا ہے زمانہ
کیا اہلِ محبت کا کوئی دین نہیں ہے

☆☆☆

آثؔر فریدی

(پٹنہ، بہار)

کوئی چہرہ نگاہوں میں نہیں ہے
کہوں کیسے وہ آہوں میں نہیں ہے
مری قسمت میں یہ کیسا سفر ہے
کوئی سایہ بھی راہوں میں نہیں ہے
اگر کردار اب تک ہے سلامت
کشش کیوں خانقاہوں میں نہیں ہے
غریبوں کو سر آنکھوں پہ بٹھائیں
یہ جذبہ عالی جاہوں میں نہیں ہے
آثؔر تم بات جس کی کر رہے ہو
تمہارے خیر خواہوں میں نہیں ہے

☆☆☆

یوسف شمسی کاکوی

(کاکو، بہار)

سمجھ سکو تو بہت تم کو میں نے پیار کیا
قرار تم کو دیا دل کو بیقرار کیا
ابھی تو قرض چکانا ہے زندگی کا مجھے
خزاں رسیدہ گلُوں کو جو لالہ ذار کیا
وہ بھیگی پلکیں ابھی تک ہیں مجھ کو یاد زرا
کہا تھا جس نے مجھے تجھ پہ اعتبار کیا
مجھے ہے یاد وہ ماضی کا ہر عذاب بہت
ستم جو مجھ پہ کیا تم نے بے شمار کیا
شبِ فراق کا لمحہ بہت طویل رہا
تمام رات قیامت کا انتظار کیا
تمہاری دید کی خواہش میں ،میں بضد جو ہوا
مجھے بھی طور پہ جلوے سے ہمکنار کیا
ابھی بھی اس کی نظر مجھ سے کہہ رہی ہے یہی
نہیں زُلیخا نے، یوسفؔ کو درکنار کیا

☆☆☆

گوہرؔ شیخ پوروی

(بنارس، یوپی)

روز دل کو مرے اک زخم نیا دیتے ہیں
آپ کیا اپنا بنانے کی سزا دیتے ہیں
میری بیتابیِ دل کا جو اڑاتے ہیں مذاق
وہ بھڑکتے ہوئے شعلوں کو ہوا دیتے ہیں
لوگ کہتے ہیں جسے ظرف وہ اپنا ہے مزاج
اپنے دُشمن سے بھی ہم پیار جتا دیتے ہیں
کوئی آواز نہیں ہوتی بھرے برتن سے
اور خالی ہوں تو ہر گام صدا دیتے ہیں
دیکھ کر میرے نشیمن سے دھواں اٹھتا ہوا
سوکھے پتے بھی درختوں کے ہوا دیتے ہیں
آپ چپ چاپ ہی آتے ہیں تصور میں مگر
میرے خوابیدہ خیالوں کو جگا دیتے ہیں
صرف اک دیوتا سمجھا ہے تمہیں میں نے مگر
لوگ پتھر کو بھی بھگوان بنا دیتے ہیں
کچی دیوار کی مانند ہیں ہم اے گوہرؔ
ایک ٹھوکر سے جسے لوگ گرا دیتے ہیں

☆☆☆

اشرؔف یعقوبی

(کولکاتا، مغربی بنگال)

جہنم بھی اسی میں ہے اسی میں باغ جنت ہے
اسی کا نام دنیا ہے اسی کا نام عورت ہے
عجب بدلا ہوا منظر یہ دیکھا میں نے جنگل کا
اندھیرے مقتدی ہیں اور جگنو کی امامت ہے
کہانی گڑھنے والے عاشقِ دلگیر کیا جانیں
نگاہِ قیس جانے لیلی کتنی خوبصورت ہے
نہ چھیڑو ساز دل کوئی یہاں پوچھے بنا میرے
مجھے اخبار کہتے ہیں یہاں میری حکومت ہے
کئی شیشے جو پتھر کی حمایت میں نکل آئے
لگا ایسا ہمیں ان میں بھی انسانوں کی فطرت ہے
کئی مجبور آتے ہیں سہارا مانگنے ہم سے
جہاں ہم ہیں وہاں تو ریت کی دیوار پر چھت ہے
سیاست میں مرے بھائی ابھی بالکل نیا ہوگا
وہ جس کے پاس دولت ہے نہ شہرت ہے نہ عزت ہے

☆☆☆

عظیم الدین عظیم

(برن پور، مغربی بنگال)

بڑا ذی فہم تھا پل میں مٹا کر دوریاں رکھ دی
ہماری دکھتی رگ پر اس نے اپنی انگلیاں رکھ دی

وہی آنکھوں کا تارا ہے وہی تو سرخرو بھی ہے
اُڑا کر ساری امیدوں کی جس نے دھجیاں رکھ دی

بھلا پہچان کیا ہوتی ہماری سر بلندی کی
ہٹا کر ہم نے اپنے سر سے اپنی ٹوپیاں رکھ دی

ادھر بلوائی خوش تھے اور ادھر کتنی سہاگن نے
سنا ہے ریزہ ریزہ کرکے اپنی چوڑیاں رکھ دی

ستایا نوکری کی چاہتوں نے اس قدر اس کو
جلا کر ایک دن بیٹے نے ساری ڈگریاں رکھ دی

دھواں جتنا تھا باہر کا وہ سب کمرے میں در آیا
عبث ہی کھول کر کمرے کی اس نے کھڑکیاں رکھ دی

عظیم اس شخص کا تھا تر بتر چہرہ پسینے سے
جب اس کے سامنے اخبار کی سب سرخیاں رکھ دی

☆☆☆

مشتاق افضلؔ

(کولکاتہ مغربی بنگال)

کوئی بھی شخص جب اپنے وطن سے جاتا ہے
تو خوش دلی سے نہیں بھاری من سے جاتا ہے
یہ کس کی وجہ سے تھم جاتا ہے رگوں میں لہو
یہ کون ہے جو حصارِ بدن سے جاتا ہے
تمہاری یاد نہ جائے گی موت سے پہلے
غروب ہوکے ہی سورج کرن سے جاتا ہے
زمین والوں پہ سرحد کی قید ہے، لیکن
پرندہ اڑ کے کہیں بھی گگن سے جاتا ہے
تمام پھول نہ کیوں دیکھے دور تک اس کو
وہ خوشبوؤں میں نہاکر چمن سے جاتا ہے
یہاں کسی پہ کوئی معترض ہوا تو نہیں
وہ کون اٹھ کے بھری انجمن سے جاتا ہے
جو حق پہ جان لٹاتا ہے ''رو بہ روئے حق''
وہ سر بلند ہی دار و رسن سے جاتا ہے
وہ چاند تاروں کو دیتا ہے روشنی افضلؔ
جو نور چھن کے ترے پیرہن سے جاتا ہے

☆☆☆

رئیس اعظم حیدری

(کولکاتا مغربی بنگال)

کسے خبر ہے جو تکلیف میں رہی ہے چھت
بدن پہ چوٹ بہت کھائی تب بنی ہے چھت
جو اس کے سائے میں رہتا ہے کیا خبر اس کو
کہ تیز دھوپ کی گرمی جو سہہ رہی ہے چھت
ہمارا دل ہے کشادہ چلے بھی آؤ تم
ہمارے گھر کی ہمیشہ کھلی ہوئی ہے چھت
نئی نویلی دلہن آج کوئی آئے گی
حسین قمقموں سے پھر سجی ہوئی ہے چھت
وہاں اترتی ہیں ہر دن نئی نئی پریاں
مرے محلے کی بلڈنگ میں جو بنی ہے چھت
اسی بہانے سبھی کپڑے بہہ گئے آخر
برس رہا ہے جو پانی نہا رہی ہے چھت
ہوائیں چلنے لگیں ہیں جو ٹھنڈی ٹھنڈی رئیسؔ
نہیں ہے ساتھ کوئی تنہا رہ گئی ہے چھت

☆☆☆

MUJHE SAB HAI YAAD ZARA ZARA

by: Tarique Mohiuddin 'Sharmila'



موصوف نے بزمِ اتحاد نالندہ کی تاریخ، ادبی سرگرمی اور اس سے وابستہ شعراء کا تذکرہ جس منفرد انداز میں پیش کیا ہے یہ قاری کو طلسماتی دنیا سے علیحدہ ہونے ہی نہیں دیتا ہے۔ یہ کتاب بزم اتحاد کے قیام سے لیکر حال تک کے سفر کی ایک خوبصورت تاریخی روداد ہے۔ یہاں مختلف شعراء کا نہ صرف تعارفی خاکہ پیش کیا گیا ہے بلکہ ان کے ذاتی اوصاف اور کلام کے ادبی محاسن پر اپنے خیالات و تاثرات کو نہایت انکساری اور ایمانداری کے ساتھ پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ اس طرح کا اسلوب اور اندازِ بیان عام طور پر مجھے کسی ادبی تنظیم کی روداد، رپورٹنگ مجلّے میں نظر نہیں آیا۔ بلاشبہ اس کارنامے کو ہم ادب میں ایک قابل قدر اضافہ کہہ سکتے ہیں۔

تنویر ساکت

سکریٹری

بزمِ اتحاد نالندہ، بہار شریف

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
New Delhi , INDIA

ISBN 978-93-94616-45-5

978- 93- 94616- 45- 5

www.ephbooks.com